قیمت: پانچ روپے

اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

ڈاکٹر کلیم صدیقی کی موت پر

قائد ملی پارلیمنٹ کے تاثرات

مرکز میں بھاجپائی حکومت کے
قیام سے ہندوستانی سیاست کا

مکروہ چہرہ بے نقاب

اس شمارے میں

AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	$1.25

"چرار شریف اب بھی ہمارے دلوں میں سلگ رہا ہے"

چرار شریف کی تباہی کی پہلی برسی پر کشمیر میں ہڑتال اور مظاہرے

کشمیر کے چرار شریف میں واقع شیخ نورالدین نورانی کے ۵۳۵ سالہ مزار کی تباہی و بربادی کو ایک برس ہوگیا۔ گذشتہ دنوں چرار شریف کے عوام نے اس روحانی مرکز کی آتش زدگی کی برسی منائی ہے۔ مقامی مسلمانوں نے اس دن ہڑتال کی اور اپنے کاروبار بند رکھے۔ اس دن ان لوگوں کے چہروں پر جو کچھ درج تھا وہ اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ اب بھی ان کے دلوں میں چرار شریف جل رہا ہے۔ اس آتش زدگی سے اٹھنے والے شعلوں اور دھوؤں کی پرچھائیاں ان کی آنکھوں میں دیکھی جاسکتی تھیں۔ ان کی نگاہیں گذشتہ ایک برس سے جھیلنے والے مظالم کی دردناک داستان سنارہی تھیں۔ ان کے چہروں کا تاثر یہ بتارہا تھا کہ وہ چرار شریف کی تباہی و بربادی کے ذمہ داروں کو نہ کبھی فراموش کریں گے اور نہ ہی انہیں معاف کریں گے۔ خواہ وہ سیکورٹی فورسز ہوں یا عسکریت پسند ہوں۔ ان کے دلوں کا کرب ان کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔ ان کے زخموں کی ٹیسیں ان کے لہجے سے نمایاں تھی۔

چرار شریف کی تباہی و بربادی کی پہلی برسی کے موقع پر مقامی لوگوں نے ایک جلوس بھی نکالا جس میں شیخ نورالدین نورانی کے مزار کی ایک شبیہہ بھی گھمائی گئی وہ شبیہہ اس بات کی شہادت دے رہی تھی کہ قصبے کے مسلمانوں نے شیخ نورالدین نورانی کو فراموش نہیں کیا ہے۔ اس جلوس میں شامل ایک شخص شوکت احمد کا کہنا تھا کہ ہم گذشتہ ایک سال سے جو اذیت جھیل رہے ہیں وہ ناقابل بیان ہے۔ لیکن ہماری پریشانیوں سے کسی کو کیا غرض۔ کوئی ہمارے بارے میں نہیں سوچتا۔ اس ایک برس میں ہم پر کیا کیا مظالم نہیں ہوئے لیکن کوئی پرسان حال نہیں۔ شوکت احمد مسلح دستوں اور عسکریت پسندوں/دونوں کا شکوہ کرتے ہیں۔ انہیں دونوں سے شکایت ہے۔ ایک آزادی کے نام پر ظلم ڈھارہا ہے تو دوسرا انہیں کچلنے کے نام پر معصوموں کو تہہ تیغ کررہا ہے۔

☆چرار شریف کی پہلی برسی پر مظاہرہ —— مظاہرین درگاہ چرار شریف کی شبیہہ اٹھائے ہوئے

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ چرار شریف کی آتش زدگی میں پورا قصبہ جل کر خاک ہوگیا تھا اس کے بعد وہاں کے مسلمانوں نے کچے پکے سائبان بنا کر رہنا شروع کردیا۔ لیکن اس پر انہیں انتظامیہ کی طرف سے نوٹس دیے جارہے ہیں۔ شوکت احمد کو بھی نوٹس ملا ہے کہ وہ اپنی تعمیر وہاں سے ہٹالے ورنہ قانون کے تحت اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ شوکت احمد کا شکوہ ہے کہ ایک تو ان کا مکان نذر آتش ہوگیا دوسرے انتظامیہ انہیں مکان بنا کر رہنے دینا نہیں چاہتی۔ ضلع مجسٹریٹ کی جانب سے صرف شوکت کو ہی نوٹس نہیں ملا ہے بلکہ ایسے دوسرے لوگوں کو بھی وارننگ دی گئی ہے۔ یہ لوگ یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارے خوبصورت قصبے کو کس نے تباہ کیا؟ اگر عسکریت پسند اس کے ذمہ دار ہیں تو حکومت بھی اور سیکورٹی فورسز بھی اس کی ذمہ داری سے بچ نہیں سکتی۔

لیکن حکومت اس کی ذمہ داری لینے کے بجائے چرار شریف کو ایک مثالی اور خوبصورت قصبہ بنانے کے نام پر وہاں کے لوگوں پر زیادتی کررہی ہے۔ وہاں اس بات کو لیکر حکومت اور مقامی لوگوں میں تازعہ پیدا ہوگیا ہے کہ کتنے حصے کو مثالی قصبہ بنایا جائے۔ حکومت نے جو حدبندی کی ہے اس کے اندر کسی کو تعمیرات کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ جس کی بنا پر لوگوں میں زبردست غم و غصہ ہے اور لوگ اپنی اپنی نو تعمیر شدہ جگہوں سے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ سیکورٹی فورسز کے رویے کی بنا پر حزب المجاہدین کے تئیں لوگوں میں ہمدردی بڑھتی جارہی ہے اور دیواروں میں "حزب المجاہدین کے شہیدوں کو سلام" جیسے نعرے بھی لکھے جانے لگے ہیں۔

حاجی ولی محمد سیکورٹی دستوں اور حریت کانفرنس دونوں کا شکوہ کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حریت والوں نے ان سے بہت سے وعدے کیے تھے لیکن ایک بھی وعدہ پورا نہیں کیا۔ لیکن وہ بڑے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم خوفزدہ نہیں ہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

> **حاجی ولی محمد سیکورٹی دستوں اور حریت کانفرنس دونوں کا شکوہ کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حریت والوں نے ان سے بہت سے وعدے کئے تھے لیکن ایک بھی وعدہ پورا نہیں کیا۔ لیکن وہ بڑے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔**

ملت کی بے شمار بیٹیاں اپنے پیٹوں میں فوجیوں کا گناہ لیے سسک سسک کر جی رہی ہیں

مسلح دستوں اور ان کے پروردہ بندوق برداروں کے مظالم کو بے نقاب کرنے والی ایک تحریر

از:۔ محمد مصطفی

کشمیر میں فورسز اور ان کے زیر سایہ کام کرنے والے بندوق برداروں کے لیے کشمیر میں انتخاب معصوم کشمیریوں کو ظلم کی چکی میں پیسنے کا ایک بہانہ بن گیا۔ نامعلوم "بندوق برداروں" اور فورسز کے ہاتھوں قتل و غارت گری کا ایک تند و تیز اور تازہ دور شروع ہوگیا۔ روزانہ ہلاک ہونے والے کشمیریوں کا گراف پندرہ سے پچیس تک بڑھ گیا۔

جموں و کشمیر میں جس طریقے سے الیکشن کرانے کے منصوبے روبہ عمل لائے گئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ حکمرانوں کو کشمیری عوام سے کوئی غرض نہیں۔ الیکشن کے فلاپ ڈرامے کو کامیابی سے ہمکنار کرانے کے لیے فورسز اور ان کے پروان چڑھائے کلاشنکوف برداروں نے عوام کو ڈرانے دھمکانے اور دہشت زدہ کرنے کا کام کیا۔ خود کانگریس کے امیدواروں غلام رسول کار اور تاج محی الدین کھل کر اپنی مہم نہیں چلا پائے ایسا بھارت مخالف عسکریت پسندوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ہند نواز بندوق برداروں کے خوف کی وجہ سے ہوا۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ انہیں قتل کرکے نامعلوم بندوق برداروں کے کھاتے میں ڈال کر معاملہ گول کیا جاسکتا ہے۔

حکمرانوں نے کشمیر میں جاری جدوجہد کو قابو کرنے کے لئے خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے رات کی تاریکی میں لوگوں کو گھروں سے اغوا کرکے ان کی لاشیں سرراہ ڈالنے کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔

گذشتہ دنوں دو بھائیوں کو ایک کمرے میں بند کرنے کے بعد ان کے منہ میں کپڑے ٹھونس کر ان کو شدید ٹارچر کیا گیا۔ انہیں بجلی کے جھٹکے دیے گئے۔ جب اس پر بھی ان کا جی نہ بھرا تو انہیں مکان کی دوسری منزل کے برآمدے سے نیچے گرایا گیا۔ اس اوقت دونوں بھائی سرینگر کے ایک اسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

نو اور دس مئی کی درمیانی رات کو آرمی کی ایک بڑی تعداد صیورہ بڑھ پورہ کی فردوس کالونی میں داخل ہوگئی اور منظور احمد کے گھر کو بارود سے اڑا دیا۔ دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ اردگرد کے کئی مکانوں میں شگاف پڑگئے اسی دوران عبدالخالق کی دوکان سے تقریباً پچھتر ہزار کا مال لوٹا گیا۔

انتظامیہ نے کشمیری عوام کو دبانے کے لئے بے لگام بندوق برداروں کی جو فوج منظم کی ہے اور انہیں قتل کرنے یا پکڑوانے کے عوض قتل و غارت گری، لوٹ مار اور کشمیریوں کی چاردیواری کے تقدس کو پامال کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے اس نے ایک نئی صورت حال کو جنم دیا ہے۔ خفیہ ایجنسیوں نے عسکریت پسندوں کی صفوں میں موجود مجرمانہ دہشت گردی کے حامل بندوق برداروں کو اس دوران اقتدار اور دولت کی نیلم پری دکھا کر عیش آرام کی زندگی فوج کی چھتر چھایہ میں گزارنے پر آمادہ کیا پہلے جو لوگ حریت اور بھارتی تسلط سے آزادی کے نام پر لوگوں کو مختلف حربوں سے تنگ کررہے تھے اب یہی لوگ بھارتی فوج کے آشیرواد سے بندوق کے کلچر کو ختم کرنے کے نام پر معصوم عوام کا خون بہارہے ہیں۔ سری نگر میں مبصرین کا خیال ہے وقتی کہ طور پر اگرچہ حکومت عسکریت پسندوں کو دباؤ میں لانے میں کامیاب تو ہوئی۔ لیکن مستقبل میں یہ سودا بھارت کے لیے بہت مہنگا ثابت ہوسکتا ہے۔ جموں یونیورسٹی کے ایک پروفیسر اور معروف سیاسی تبصرہ نگار پروفیسر اے سی بوس کا تبصرہ قابل ذکر ہے۔ انہوں نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں اس صورت حال کا جائزہ ان الفاظ میں لیا ہے "جہاں تک حکومت کا تعلق ہے وہ اس امر سے باخبر ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں کھل کر منحرف بندوق برداروں کو کشمیریوں کے اصل نمائندے کے طور پر قبول نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس بات کو کوئی جانتا ہے کہ کل کس کی لاش گولیوں سے چھلنی دریائے جہلم یا کسی اور چوراہے یا ویرانے پر ملتی ہے۔ زبانیں گنگ ہیں، آنکھیں ویران، سرشام ہی لوگ گھروں کے اندر دبک جاتے ہیں، نوجوانوں کی ایک خاصی تعداد کو فورسز نے شراب اور دوسری نشہ آور ادویات کا عادی بنا کر ان کی سوچ کو مفلوج کردیا ہے۔ شراب کے نشے میں دھت یہ نوجوان کسی بھی راہ چلتے عزت دار شہری کی درگت بناتے ہیں۔ کسی بھی گھر کی عفت مآب بہو بیٹی کو اپنے بستر کی زینت بناسکتے ہیں آج بھی ملت کی کتنی ہی بیٹیاں فوجی اور نیم فوجی دستوں کے کیمپوں میں اپنے پیٹوں میں گناہ کا بوجھ لیے سسک سسک کر جی رہی ہیں۔ حکومت نے کشمیر میں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی ایسی مکروہ پالیسی ترتیب دی ہے کہ باپ اپنے بچوں کے سامنے دل کی بات کہنے سے کتراتا ہے۔ کتنے ہی بھائی پچھلے دو سال کے دوران اپنے ہی سگے بھائیوں کی گولیوں کا شکار ہوگئے ہیں۔ عوام سے تاوان وصول کرنا اب فورسز کی چھتر چھایا میں پلنے والے بندوق برداروں کا معمول بن گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کی "منظم" فوج کے اشارے پر ہورہا ہے۔ تاوان سے حاصل ہونے والی رقوم کا نصف حصہ فوج کے آفیسر حاصل کررہے ہیں۔ فوج کے آشیرواد سے ہی جنگلات کا صفایا بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ اس ناجائز لکڑی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے اور لے جانے کے لئے فوجی گاڑیوں کو استعمال میں لایا جارہا ہے۔ سرینگر جموں قومی شاہراہ سے روز لاکھوں روپیہ کی مالیت کا فرنیچر وادی میں تعینات فوجی آفیسروں کے گھروں میں منتقل ہورہا ہے۔ لیکن بے زبانوں پر ہونے والے اس ظلم کے خلاف بھارت کی کوئی مینکا گاندھی یا بابا آمٹے آواز نہیں اٹھاتے۔"

"ضرورت ہے ستر وزرا کی جنہیں وزارت کے ساتھ ساتھ بہت سی سہولیات بھی دی جائیں گی"

پندرہ دن کی حکومت کو پانچ برس کی حکومت میں بدلنے کی بھاجپائی چالیں

حالیہ انتخابات کے نتائج اور رجحانات جیسے ہی آنے شروع ہوئے بی جے پی کیمپ میں اس بات پر خوشی محسوس کی جانے لگی کہ وہ کم از کم سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھریں گے۔ پھر جب تقریباً یہ طے ہو گیا کہ وہ اپنے بل بوتے پر حکومت نہیں بنا سکیں گے تو بی جے پی کے لیڈروں نے ایک لائحہ عمل تیار کر لیا جس کی پہلی منزل یہ طے کی گئی کہ صدر جمہوریہ سب سے پہلے ان کے لیڈر اٹل بہاری کو حکومت سازی کی دعوت دیں۔ چنانچہ بی جے پی کی پوری مشینری سرگرم ہو گئی اور ہر طرف سے یہ صدا آنے لگی کہ صدر جمہوریہ لازماً انہیں کو پہلے حکومت بنانے کی دعوت دیں۔ بی جے پی نے اپنے لائحہ عمل کی پہلی منزل طے کر لی ہے۔ یعنی اٹل جی کو وزیر اعظم کے عہدے کا حلف دلایا جا چکا ہے۔

بی جے پی کے لائحہ عمل کا دوسرا حصہ یا منزل ۳۱ مئی تک اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا ہے۔ اس لائحہ عمل کی تیسری منزل یہ ہوگی کہ پارلیمنٹ میں اتنی اکثریت حاصل ہو جائے جس سے وہ پانچ سال مکمل حکومت کر سکیں۔

اپنے لائحہ عمل کے دوسرے حصے کے مطابق بی جے پی اب اس فکر میں ہے کہ کسی طرح اعتماد کا ووٹ اسے حاصل ہو جائے۔ شروع سے ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح علاقائی پارٹیاں ان کا ساتھ دے دیں۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ریاستوں کو مزید اختیارات دیں گے اور متنازعہ مسائل مثلاً یکساں سول کوڈ نافذ کرنا یا دفعہ ۳۷۰ کو ختم کرنا یا بابری مسجد کی جگہ مندر بنانا وغیرہ کو وقتی طور سے پس پشت ڈال دیں گے۔ لیکن پانچ بڑی علاقائی پارٹیوں میں سے صرف اکالی دل نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ بی جے پی کا ساتھ دیں گے لیکن یہ بھی کہا ہے کہ یہ حمایت اندھی نہیں ہوگی اور اہم معاملات پہ سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔
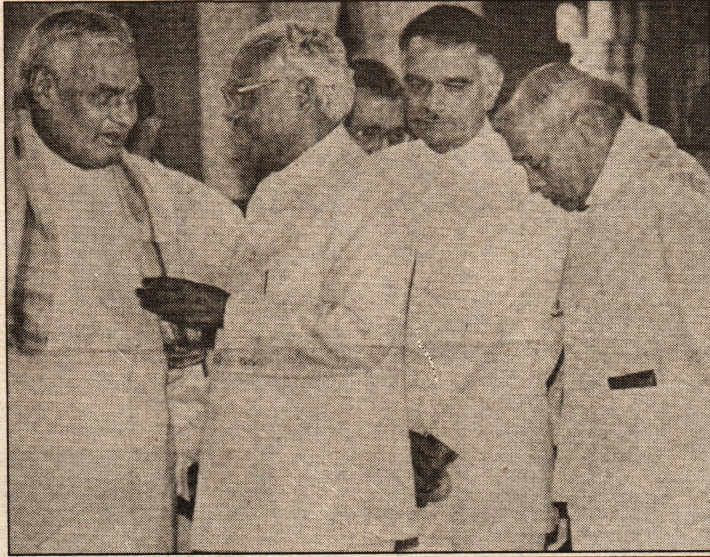
☆ باجپئی کے ساتھ نارائنن اور نرسمہا راؤ — کیا راؤ کی گردن احساس ندامت کے بوجھ سے دب گئی

دراصل انہیں امید ہے کہ صرف بی جے پی پنجاب کی کانگریس حکومت کو ان کے مطالبے کے مطابق گرا سکتی ہے۔ لیکن دوسری علاقائی پارٹیوں نے، یعنی ڈی ایم کے، ٹی ایم سی تلگو دیشم اور آسام گن پریشد نے بی جے پی کے بجائے ایک چوتھا فرنٹ قائم کر کے تیسری طاقت کے ساتھ مل کر حکومت بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ بی جے پی کو اب احساس ہو چلا ہے کہ وہ شاید پارلیمنٹ میں اکثریت ثابت نہ کر سکے۔ دراصل اعداد و شمار کا کھیل بالکلیہ اس کے خلاف ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بی جے پی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھی رہے گی۔ اپنی سی کوشش وہ اب بھی کریں گے۔ خرید و فروخت کا بازار بھی گرم کرنے کی کوشش ہوگی۔ لیکن تیسری طاقت اور چوتھے فرنٹ کے رہنما بھی ہوشیار ہیں۔ اس ضمن میں سب سے آگے آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ چندرا بابو نائیڈو ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنے ممبران پارلیمنٹ کو بی جے پی والوں سے دور اپنی ریاست میں روانہ کر دیا ہے بلکہ اپنے ہم نوا دوسرے رہنماؤں سے میٹنگ کر کے انہیں بھی ایسا ہی کرنے کو کہا ہے۔ مقصد بی جے پی کو اپنے ممبران کو خریدنے سے روکنا ہے۔

ادھر کانگریس کا بھی موڈ یہی ہے کہ وہ دیوگوڑا کی غیر مشروط حمایت اور بی جے پی حکومت گرانے کے عزم پر جمی ہوئی ہے۔ جن لوگوں کو یہ امید تھی کہ کانگریس کا ایک حصہ بی جے پی کی طرف یا دوسرا حصہ تیسری طاقت کی طرف ٹوٹ کر جا سکتا ہے، انہیں مایوسی ہوئی ہے۔ کانگریس ہر حال میں بی جے پی کو اقتدار سے دور رکھنے کے عہد پر قائم نظر آتی ہے۔ تیسری اور چوتھی طاقت اور کانگریس کے تیوروں کو دیکھ کر بی جے پی کو اندازہ ہو گیا ہے کہ ان کے لئے اپنے اولین لائحہ عمل کے دوسرے اور تیسرے جز پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا۔ ابھی تک تو یہی صورتحال ہے، اگر آئندہ چند دنوں میں کوئی معجزہ نمودار ہو، یا موجودہ سیاسی کیفیت میں کوئی انقلابی تبدیلی آجائے تو اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ایسے امکانات کے اشارے دور دور تک نظر نہیں آتے۔

جن لوگوں کو یہ امید تھی کہ کانگریس کا ایک حصہ بی جے پی کی طرف یا دوسرا حصہ تیسری طاقت کی طرف ٹوٹ کر جا سکتا ہے، انہیں مایوسی ہوئی ہے۔ کانگریس ہر حال میں بی جے پی کو اقتدار سے دور رکھنے کے عہد پر قائم نظر آتی ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہوا کا رخ اپنے خلاف دیکھ کر بی جے پی نے اپنا لائحہ عمل بدل دیا ہے اور یہ طے کیا ہے کہ چند دن ہی کے لئے سہی، حکومت قائم کر کے اپنے ورکروں کی امیدوں اور ولولے کو اٹھایا جائے اور پھر ایسے ہی اقتدار و حکومت کو آئندہ حاصل کرنے کے لئے از سر نو محنت کی جائے۔ اسے ہم نفسیاتی لائحہ عمل کہہ سکتے ہیں جس کا مقصد نفسیاتی نتائج حاصل کرنا ہے۔

ہوا کا رخ اپنے خلاف دیکھ کر بی جے پی نے اپنا لائحہ عمل بدل دیا ہے اور یہ طے کیا ہے کہ چند دن ہی کے لئے سہی، حکومت قائم کر کے اپنے ورکروں کی امیدوں اور ولولے کو اٹھایا جائے اور پھر ایسے ہی اقتدار و حکومت کو آئندہ حاصل کرنے کے لئے از سر نو محنت کی جائے۔ اسے ہم نفسیاتی لائحہ عمل کہہ سکتے ہیں۔

بی جے پی اپنی اس چند روزہ حکومت سے ایک اور مقصد بھی حاصل کر لینا چاہتی ہے۔ ۲۲ مئی کو پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا گیا ہے۔ قاعدے کے مطابق صدر پہلے عبوری اسپیکر کا انتخاب کرے گا جو اپنی ٹیم کے ساتھ تمام ممبران کو حلف دلائے گا۔ پھر صدر دونوں ایوان کے ممبروں کے مشترکہ اجلاس کو خطاب کریں گے۔ واضح رہے کہ صدر کا خطبہ دراصل حکومت تحریر کرتی ہے۔ شکست کے دہانے پر کھڑی ہوئی بی جے پی اس خطبے میں آئندہ پالیسی و پروگرام کے تحت ایسی باتیں شامل کرے گی جو اشتعال انگیز ہو سکتی ہیں۔ مثلاً بی جے پی اس خطبے میں یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے یا بابری مسجد کی جگہ مندر بنانے کی بات شامل کر سکتی ہے جسے صدر محترم یوں کہیں گے کہ "میری حکومت" تمام شہریوں کے لیے یکساں سول

باقی: صفحہ ۱۲ پر

سکندر بخت کی پارٹی لیڈروں سے ناراضگی — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

عارف بیگ کے بعد کیا اب سکندر بخت کا نمبر آنے والا ہے۔ مرکز میں بی جے پی کی حکومت سازی، بحیثیت وزیر سکندر بخت کی حلف برداری، اس کے بعد بخت کا اپنے عہدے کا چارج نہ لینا اور دہلی کے رام لیلا میدان میں بحیثیت وزیر اعظم باجپئی کی پہلی عوامی تقریر میں سکندر بخت کا نہ آنا۔ یہ سب کسی خاص سمت کی جانب اشارہ کر رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر بخت اس بات سے ناراض ہیں کہ انہیں کم اہمیت کی وزارت دی گئی۔ انہیں ہاؤسنگ وزیر بنایا گیا ہے۔ جبکہ ان کی خواہش وزیر داخلہ یا وزیر دفاع بننے کی تھی۔ حلف برداری کے وقت باجپئی کے بعد دوسرا نام انہی کا پکارا گیا تھا اس لئے انہیں یقین تھا کہ انہیں مذکورہ دونوں وزارتوں میں سے کوئی ایک دی جائے گی لیکن انہیں ہاؤسنگ کی وزارت دی گئی۔ جنتا پارٹی کی حکومت میں بھی انہیں یہی وزارت دی گئی تھی گویا وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ بی جے پی میں ان کی کوئی ترقی نہیں ہوئی ہے وہ جہاں، میں تھے وہیں آج بھی ہیں۔ اس لئے وہ وزیر اعظم باجپئی سے ناراض ہیں اور اسی لئے ان کے عوامی جلسے میں نہیں آئے۔

مذکورہ اطلاعات بی جے پی کے ذرائع سے ملی ہیں۔ اس لئے سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ آنکھ بند کر کے ان اطلاعات پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سکندر بخت کی ناراضگی وزارت کو لیکر نہیں بلکہ کسی اور سنگین معاملے پر ہے۔ لیکن چونکہ بخت ابھی کسی سے مل نہیں رہے ہیں اور نہ ہی فون پر دستیاب ہیں اس لئے حقیقت پر ابھی پردہ پڑا ہوا ہے۔ سکندر بخت بھی اپنی حیثیت پہچانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ جوشی، پرمود مہاجن، جسونت سنگھ وغیرہ کی موجودگی میں انہیں کوئی اہم عہدہ نہیں مل سکتا۔ لہٰذا انہیں جو وزارت ملی ہے وہ کم اہمیت کی نہیں ہے۔ سکندر بخت کی ناراضگی اگر اس بنا پر ہوتی تو وہ اب تک اپنا عہدہ سنبھال چکے ہوتے اور وزیر اعظم کے جلسے میں بھی آتے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں پارٹی میں اپنی اہمیت کم ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے اور عارف بیگ کے جانے کے بعد انہیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ واقعی بی جے پی میں کسی مسلمان کی گنجائش نہیں ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں پارٹی میں اپنی اہمیت کم ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے اور عارف بیگ کے جانے کے بعد انہیں احساس ہو رہا ہے کہ واقعی بی جے پی میں کسی مسلمان کی گنجائش نہیں ہے۔

حالانکہ عارف بیگ نے سکندر بخت کو بھی نشانہ بنایا تھا لیکن بارسوخ ذرائع کے مطابق اب سکندر بخت بیگ کی باتوں کی صداقت کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ اگر یہ معاملہ نہ ہوتا تو بی جے پی کا ایک سرکردہ لیڈر یہ بیان نہیں دیتا کہ پارٹی میں سکندر بخت کی بہت عزت اور اہمیت ہے۔ ہم لوگوں نے ان کی وجہ سے ایک ۲۲ سالہ پرانے ساتھی کو چھوڑ دیا لیکن اب وہ اس طرح نخرے دکھائیں یہ اچھی بات نہیں ہے۔ انہیں راجیہ سبھا میں اپوزیشن کا لیڈر اور پارٹی کا نائب صدر بنایا گیا ہے۔ انہیں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سکندر بخت کی ناراضگی کی وہ وجہ نہیں ہے جو بیان کی جا رہی ہے۔ بلکہ معاملہ کچھ سنگین سا ہے۔ معاملے کی سنگینی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کئی دنوں تک اپنے گھر پر رہنے کے بجائے کہیں گوشہ عافیت میں رہے اور انہیں تلاش کرنے میں صحافیوں کو بھی کامیابی نہیں ملی۔

سکندر بخت کی ناراضگی کو لیکر پارٹی میں کوئی بے چینی یا بے اطمینانی بھی نہیں ہے۔ گویا پارٹی لیڈر یہ محسوس کرتے ہیں کہ عارف بیگ کی طرح اگر سکندر بخت بھی پارٹی چھوڑ دیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ویسے بھی عوامی حلقوں میں بخت کی کوئی پوزیشن نہیں ہے۔ بی جے پی میں کوئی مسلم لیڈر رہے یا نہ رہے اسے اس کی کوئی خاص پروا نہیں ہے۔ اسے مسلمانوں کا ووٹ تو لینا نہیں ہے ہندوتو کے نام پر اس نے اتنی کامیابی حاصل کی ہے۔ آگے جو بھی کامیابی ملے گی وہ ہندوتو کے نام پر ہی ملے گی۔ بی جے پی بیگ اور بخت کو تو چھوڑ سکتی ہے لیکن ہندوتو کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یعنی جس طرح اب تک ضمیر کا سودا کر کے بخت بی جے پی میں رہے اسی طرح اب بھی رہیں تو ٹھیک ہے ورنہ دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ کہیں بھی جا سکتے ہیں۔

کیا لالو بہار میں اپنی درگت سے کوئی سبق سیکھیں گے؟

لالو نے مزاحیہ اداکاری کے بجائے ٹھوس کام پر توجہ نہیں دی تو ان کا سیاسی قلعہ مسمار ہو سکتا ہے

کیا موجودہ انتخابات بہار سے لالو راج کے خاتمہ کا پیش خیمہ ثابت ہوں گے؟ کیا اگلے الیکشن کے بعد لالو حزب اختلاف کی کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے؟ یہ سوالات ابھی قبل از وقت معلوم ہوتے ہیں اور ان کا جواب بھی اثبات میں دینا بہت مشکل ہے۔ لیکن بہار کے پارلیمانی انتخابات نے لالو کے لئے جو پیغام چھوڑا ہے وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ لالو کا قلعہ فتح کرنے کے لئے بی جے پی سمتا اتحاد تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ لالو کی مقبولیت کا گراف بہت حد تک نیچے آگیا ہے اور اگر انہوں نے اپنے طریقہ کار اور طریقہ حکومت میں اصلاح نہیں کی تو آئندہ الیکشن ان کے لئے موت و زیست کا سبب بن سکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لالو کے قلعہ کی مضبوط فصیل میں بی جے پی سمتا نے شگاف ڈال دیا ہے جس کو پر کر پانا ان کے لئے بہت مشکل ہے۔ انتخابی مہم کے دوران لالو نے خود کو مستقبل کے وزیر اعظم کے طور پر پیش کیا تھا وہ ہر جگہ نعرہ لگواتے تھے، وزیر اعظم لالو یادو زندہ باد۔ لیکن جب دہلی میں وزیر اعظم کے امیدوار کا فیصلہ ہونے لگا تو تیسرے محاذ کی جانب سے لالو کا نام تک نہیں پیش کیا گیا۔ دیوے گوڑا جیسے لیڈر کے نام پر اتفاق رائے ہو گیا لیکن لالو کے نام پر نہیں ہوا۔ لالو بھی اس کو محسوس کرتے ہوں گے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ بہار میں ان کی پارٹی کی شکست ہے۔ اگر انہوں نے پارلیمنٹ کی ۵۴ نشستوں میں سے زیادہ تر جیت لی ہوتیں تو وہ آج وزیر اعظم بھی بن سکتے تھے لیکن حیرت انگیز اور غیر متوقع طور پر جنتادل نصف سیٹوں پر بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکا۔ ۵۴ نشستوں کی گنتی ہوئی ہے جن میں جنتادل کو ۲۱، بی جے پی کو ۱۸ اور سمتا پارٹی کو ۶ سیٹیں ملی ہیں۔ گویا بی جے پی سمتا اتحاد کو ۲۴ سیٹیں مل گئی ہیں۔ یہ لالو کے لئے انتہائی ذلت آمیز اور شرمناک بات ہے۔ لالو نے دعوی کیا تھا کہ ان کے سیاسی حریف تیتش کمار الیکشن نہیں جیت سکتے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اپنی ضمانت بھی نہیں بچا پائیں گے۔ لیکن وہ شاندار طریقے سے جیتے اور ان کی پارٹی کو بھی اچھی کامیابی ملی۔ اتنی کامیابی کہ شاید تیتش اور جارج کو بھی اس کی توقع نہیں رہی ہوگی۔

لالو کی شکست کے کئی اسباب ہیں۔ دراصل عوام کو مزاحیہ اداکاری نہیں ٹھوس کام چاہیے۔ سر پر ہیٹ، ہاتھ میں چھڑی اور سڑکوں پر بلڈوزر لیکر نکل جانے سے نہ تو کام بنتا ہے اور نہ ہی فائر برگیڈ کی گاڑیوں سے ہریجنوں کو اسنان کرانے سے بات بنتی ہے۔ غریب عورتوں کو شیمپو سے نہلانے سے نہ توان کا پیٹ بھرتا ہے اور نہ ہی پچھڑے لوگوں کے سر کے بال کاٹنے سے ان کے پیٹ کی آگ بجھتی ہے۔ ان کے مسائل حل ہوں، انہیں روزگار ملے اور ان کے گھروں میں چولہا جلے تو ان کا معیار زندگی خود بخود بلند ہو جائے گا۔ جس کے پیٹ میں آگ لگی ہو وہ شیمپو سے بال دھو کر کیا کرے گا۔

لالو نے الیکشن کو لالو بنام دیگر بنادیا تھا۔ اپنی شخصیت کو تمام لوگوں سے بالا بنا کر انہوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ لالو ہی سب کچھ ہیں۔ جس کی بنا پر ان کے انداز میں کبر و نخوت کا عنصر پھوٹ پڑا تھا۔ شاید عوام کو ان کی یہ ادا پسند نہیں آئی اور انہوں نے لالو کو سبق سکھانے کا فیصلہ کرلیا۔ اپنے پانچ سالہ دور میں لالو نے بے شمار وعدے کئے تھے جن میں ایک بھی وعدہ وفا نہیں ہوا۔ حکومت کی ناقص کارکردگی اور مویشی پالن اسکینڈل نے بھی جنتادل کی امیج خراب کی۔ اسمبلی انتخابات سے قبل انہوں نے غریبوں کو پندرہ روپے میں کپڑا فراہم کرنے اور بے گھروں کو پکا مکان دینے کا بھی وعدہ کیا تھا لیکن یہ دونوں وعدے بھی محبوب کے وعدے ثابت ہوئے۔

لالو نے سماجی انصاف کے نام پر ذات پات کی سیاست کو پروان چڑھایا لیکن اسی سیاست نے ان کے قدم اکھاڑ دیے۔ ان کی حکومت سے قبل بڑی ذات کے ہندو جس طرح پسماندہ ذات کے لوگوں سے ذلت آمیز سلوک کرتے تھے، ان کی حکومت میں وہی سلوک پسماندہ ذات کے لوگ اونچی ذات والوں سے کرنے لگے۔ گویا پورا سماجی نظام الٹ پلٹ گیا۔ ان کی حکومت میں برہمنوں اور دیگر اونچی ذات کے لوگوں کو حکومت اور اس کے فوائد سے الگ تھلگ کر دیا گیا۔ ان لوگوں کو لگا کہ حکومت کے سارے فائدے یادو اٹھا رہے ہیں اس لئے وہ یادو راج کے خلاف ہو گئے۔ یہی حال کرمیوں اور کوئریوں کا ہوا۔ یہ وہ طبقہ ہے جو منڈل کے نام پر جنتادل کے ساتھ تھا اور بہار میں جنتادل کی بنیاد مستحکم کرنے میں جس نے اہم رول ادا کیا تھا لیکن لالو کے ذریعہ انہیں نظر انداز کردیے جانے کے سبب یہ لوگ تیتش کمار کی قیادت میں جمع ہو گئے اور اس بار کرمی، کوئری، برہمن، ٹھاکر، بنیا، بھومہار اور دوسرے غیر پسماندہ طبقات نے مل کر لالو کے خلاف ووٹ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنتادل محض ۲۱ نشستوں پر سمٹ گیا۔

لالو اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ پسماندہ لوگوں کو اختیارات دینے کا مطلب اونچی ذات کے لوگوں کو بے اختیار کردینا نہیں ہے۔ بی جے پی نے "دشمن کا دشمن دوست" کے اصول کو سامنے رکھ کر سمتا پارٹی سے اتحاد کرلیا جس کا اسے بھرپور فائدہ پہنچا۔ اگر لالو نے اس شکست سے کوئی سبق نہیں سیکھا تو بہار سے ان کی بالادستی ختم ہو سکتی ہے۔

ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات کی آندھی اتنی تند و تیز تھی کہ

جے للتا کا خیمہ اکھڑ گیا اور بھجن لال کا سیاسی بھجن بند ہو گیا

جے للتا کا خیمہ اکھڑ گیا، بھجن لال بھجن گاتے ہوئے ایوان اقتدار سے باہر ہو گئے اور آسام و پانڈیچری سے کانگریسی حکومت کا صفایا ہو گیا۔ البتہ مغربی بنگال میں جیوتی بسو کی حکومت جوں کی توں بنی رہی۔ پارلیمانی انتخابات کی مانند ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات بھی چونکا دینے والے رہے لیکن دونوں میں فرق یہ رہا کہ جہاں پارلیمانی انتخابات میں کسی پارٹی کو واضح اکثریت نہیں ملی وہیں ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات میں کسی نہ کسی پارٹی کو واضح اکثریت ضرور ملی اس لئے ریاستی حکومتوں کی تبدیلی میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

تمل ناڈو میں ڈی ایم کے کی حکومت بن گئی اور ہریانہ میں ہریانہ وکاس پارٹی کی جبکہ آسام میں آسام گن پریشد ایک بار پھر برسر اقتدار آگیا۔ لیکن سب سے حیرت انگیز اور دلچسپ نتائج تمل ناڈو کے رہے۔ وہاں انتخابی آندھی اتنی تند و تیز رہی کہ جے للتا کے اقتدار کا تمبو پوری طرح اکھڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی اسمبلی کی سیٹ بھی نہیں بچا پائیں۔ وزیر اعلی کون کہے ممبر اسمبلی بھی نہیں رہ گئیں۔ کرونا ندھی اور فلم اسٹار رجنی کانت کا جادو اسقدر سر چڑھ کر بولا کہ جے للتا کو کہیں چھپنے کی جگہ نہیں ملی۔ دراصل اس میں نہ تو عوام کا کوئی قصور ہے اور نہ ہی کرونا ندھی کا کوئی کمال۔ جے للتا کا یہ زوال ان کے اپنے کارناموں کا مرہون منت ہے۔ قرون وسطی کے کسی فرما روا کی مانند وہ حکومت کرنا چاہتی تھیں۔ باعزت و باتکریم لوگوں کو اپنے پیروں پر جھکنے کے لئے مجبور کرنے اور اپنی حاشیہ برداری میں لوگوں کو ذلیل کرنے کا شوق انہیں لے ڈوبا۔

جے للتا نے اپنے لے پالک بیٹے کی شادی جس انداز سے کی پہلے زمانے کا کوئی راجہ مہاراجہ کیا اس شان و شوکت سے شادی کرتا۔ اربوں روپے پانی کی طرح بہادیے گئے۔ عوام کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے ذاتی عیش و عشرت اور نام و نمود پر سرکاری خزانہ خالی کیا جارہا تھا۔ گویا بدعنوانیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو ان کی موجودگی میں ختم ہونے والا نہیں تھا۔ فلم اداکار اور جنوب کے ایکشن کنگ رجنی کانت نے عوام کے مزاج کو بھانپ لیا اور کرونا ندھی کے ساتھ جے للتا کے خلاف انتخابی مہم میں لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کرونا ندھی چوتھی بار وزیر اعلی بن گئے۔

> سب سے حیرت انگیز اور دلچسپ نتائج تمل ناڈو کے رہے۔ وہاں انتخابی آندھی اتنی تند و تیز رہی کہ جے للتا کے اقتدار کا تمبو پوری طرح اکھڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی سیٹ بھی نہیں بچا پائیں۔ وزیر اعلی کون کہے ممبر اسمبلی بھی نہیں رہ گئیں۔ کرونا ندھی اور فلم اسٹار رجنی کانت کا جادو اسقدر سر چڑھ کر بولا کہ جے للتا کو کہیں چھپنے کی جگہ نہیں ملی۔

ہریانہ کے وزیر اعلی بھجن لال نے بھی بدعنوانیوں کی انتہا کردی تھی۔ وزیر اعظم اور کانگریس اعلی کمان کی طرف سے انہیں پوری آزادی حاصل تھی اس لئے وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ عوام کا ایک بڑا طبقہ ان سے متنفر ہو گیا اور عوام کے موڈ کو بھانپ کر ہریانہ وکاس پارٹی کے لیڈر بنسی لال نے سمتا پارٹی اور بی جے پی سے اتحاد کرلیا۔ جس کے نتیجے میں بھجن لال کا بستر گول ہو گیا اور جہاں پہلے بھجن لال اقتدار کا بھجن گایا کرتے تھے اب وہیں بنسی لال اقتدار کی بنسی بجا رہے ہیں۔ وہ بھی چوتھی بار وزیر اعلی بنے ہیں۔ آسام میں کانگریس کو اس وقت زبردست دھچکہ لگا جب وزیر اعلی ہتشیور سائکیا چل بسے۔ نئے وزیر اعلی بھومی دھر برمن نہ تو کسی سیاسی اہلیت کے مالک

باقی صفحہ ۱۲ پر

یوپی میں سیکولر طاقتوں کا انتشار بی جے پی کے لئے آب حیات ثابت ہوا

بی جے پی کو ریاستی حکومت میں آنے سے روکنا ہے تو ایس پی۔ بی ایس پی اور جنتادل کو متحد ہونا ہوگا

غیر بی جے پی اور سیکولر پارٹیوں کی پھوٹ اتر پردیش میں بی جے پی کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ اس پھوٹ اور انتشار کا فائدہ اٹھا کر بی جے پی اپنی اتنی نشستیں برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گئی جتنی کہ ۱۹۹۱ کے الیکشن میں اس نے جیتی تھیں۔ البتہ اس کے ووٹ میں دو فیصد کی کمی واقع ہوئی ہے اور اس کے ساتھ اسے اپنی کچھ وہ نشستیں بھی گنوانی پڑی ہیں جو اس کی گڑھ تصور کی جاتی تھیں۔ اس بار کے الیکشن میں نہ تو رام مندر کا ایشو تھا نہ متھرا و بنارس مندر کا اور نہ ہی کوئی جذباتی ایشو بی جے پی کے ہاتھ میں تھا۔ بی جے پی کے حق میں کوئی لہر بھی نہیں تھی اس کے باوجود بی جے پی کو کامیابی ملی اس کی واحد وجہ بی جے پی مخالف پارٹیوں کا انتشار ہے۔ سماجوادی پارٹی اور بہوجن سماج پارٹی کے عدم اتحاد نے بھی بی جے پی کو تقویت پہنچائی اور جنتادل کی تقسیم سے بھی بی جے پی کو آکسیجن حاصل ہوئی۔ اگر ایس پی اور جنتادل کے ساتھ بی ایس پی کا بھی اتحاد ہو گیا ہوتا تو بلاشبہ بے جے پی یوپی میں پانی مانگتی ہوئی نظر آتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یوپی میں بی جے پی کی مقبولیت گھٹی ہے اور اگر سیکولر طاقتوں میں اتحاد ہو گیا ہوتا تو نصف نشستیں بھی حاصل کرنا اس کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا۔ اترا کھنڈ میں بی جے پی نے دو سیٹیں، روہیل کھنڈ میں پانچ اور بندیل کھنڈ خطے میں ایک سیٹ گنوائی ہے۔ لیکن اس خسارے کو اس نے پوروانچل اور مغربی یوپی میں چار سیٹیں حاصل کر کے پورا کر لیا۔

اتر پردیش بی جے پی کے صدر کلراج مشرا کا خیال ہے کہ پارٹی کو کوئی نقصان نہیں ہوا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی بنیاد کمزور ہوئی ہے۔ سیٹوں کی حصولیابی میں تو وہ کامیاب ہے لیکن مقبولیت کا گراف کافی نیچے آ گیا ہے۔ اس سے قبل کلراج مشرا یہ دعوی کیا کرتے تھے کہ بی جے پی کو ۸۵ میں سے ۷۰ سیٹیں ملیں گی اب ان کا کہنا ہے کہ پارٹی لیڈروں کا اصل خیال ۵۵ اور ۶۰ کے درمیان تھا۔ بی جے پی ۶۰ نشستیں بھی حاصل نہیں کر پائی اس کی وجہ سماجوادی پارٹی اور بی ایس پی کا بی جے پی کے قلعے میں نقب لگانا ہے۔ ان دونوں پارٹیوں نے بی جے پی کی حویلی کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ یہاں تک کہ بی جے پی کے روایتی گڑھ اس کے ہاتھ سے نکل کر ایس پی، بی ایس پی اور تیواری کانگریس کے ہاتھوں میں چلے گئے ہیں۔ اترا کھنڈ اور روہیل کھنڈ کی مثال دی جا سکتی ہے۔ بی جے پی کے ہاتھ میں ۹۱ میں نینی تال اور گڑھوال بھی تھے لیکن اس بار یہ حلقے تیواری کانگریس کے پاس چلے گئے۔ جبکہ سماجوادی اور جنتادل اتحاد نے بدایوں، آنولہ، پیلی بھیت، خلیل آباد اور ڈومریا گنج سیٹیں بی جے پی سے چھین لی ہیں۔ بی جے پی امروہہ اور سنبھل بھی گنوا بیٹھی ہے۔ یہ دونوں علی الترتیب ایس پی اور بی ایس پی کے ہاتھ میں آ گئے ہیں۔ جبکہ رامپور حلقہ کانگریس کی بیگم نور بانو نے چھین لیا ہے۔ سیتاپور، قیصر گنج، بانس گاؤں اور شاہ آباد ایس پی اور بی ایس پی کو چلے گئے ہیں۔ کلراج مشرا کا کہنا ہے کہ ان سیٹوں پر بی جے پی کی شکست خلاف توقع ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بی جے پی جن سیٹوں کو گنوا بیٹھی ہے اس کے ذمہ دار وہاں کے ممبران پارلیمنٹ ہیں۔ الیکشن جیتنے کے بعد انہوں نے اپنے حلقوں میں کوئی کام نہیں کیا۔ دوسری وجہ آپسی لڑائی اور رسہ کشی رہی ہے۔

بی جے پی نے چار حلقوں میں سب سے زیادہ زور لگایا تھا۔ تین اجودھیا، کاشی اور متھرا کی سیٹیں تھیں اور ایک مین پوری تھی جہاں سے ملائم سنگھ الیکشن لڑ رہے تھے۔ بی جے پی نے ان چاروں حلقوں میں اپنی پوری طاقت جھونک دی تھی۔ اول الذکر تینوں نشستیں اس کے لئے وقار کی بن گئی تھیں۔ ان تینوں نشستوں پر بی جے پی کو جو فائدہ ہوا وہ غیر بی جے پی ووٹوں کے انتشار کا مرہون منت ہے۔ دیکھا جائے تو بی ایس پی نے بھی بی جے پی کی سیٹوں کے اضافہ میں اہم رول ادا کیا۔ دراصل بی ایس پی کی انتخابی جنگ کا مقصد خود کامیابی حاصل کرنا نہیں بلکہ سماجوادی کو ہرانا تھا۔ اس لئے جہاں جہاں سماجوادی کے امیدواروں کی جیت کی توقع تھی وہاں وہاں بی ایس پی نے مسلم امیدوار کھڑے کر کے مسلم اور سیکولر ووٹوں کو منتشر کر دیا۔ الیکشن کے موقع پر کچھ جذباتی مسلمانوں نے کہا تھا کہ بی ایس پی مسلمانوں کی سچی ہمدرد ہے کیونکہ اس نے سب سے زیادہ امیدوار کھڑے کئے ہیں (واضح رہے کہ بی ایس پی نے ۳۲ مسلمانوں کو ٹکٹ دیا تھا) لیکن نتیجہ دیکھئے تو پتہ چلتا ہے کہ بی ایس پی کا صرف ایک امیدوار کامیاب ہوا ہے۔ وہ ہیں شاہ آباد سے الیاس اعظمی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ الیاس اعظمی کی کامیابی کی وجہ مسلم اور سیکولر ووٹوں کا ان کی طرف جھک جانا تھا وجہ یہ تھی کہ کوئی معقول امیدوار نہیں تھا اس لئے مسلمانوں اور سیکولر غیر مسلموں نے انہیں ووٹ دیا۔ گویا جہاں جہاں ایس پی کے مسلم امیدوار جیتنے کی پوزیشن میں تھے وہاں وہاں اگر بی ایس پی نے مسلم امیدوار کھڑے نہ کئے ہوتے تو ان کی کامیابی یقینی ہو جاتی۔ یعنی بی ایس پی نے مسلم اور سیکولر ووٹوں کے انتشار میں بھرپور رول ادا کیا۔ اس لئے اس کی اہمیت نہیں ہے کہ کون پارٹی کتنے زیادہ مسلمانوں کو ٹکٹ دیتی ہے بلکہ اہمیت اس کی ہے کہ کس پارٹی سے کتنے زیادہ مسلمان جیت کر آتے ہیں۔ ایس پی سے چار مسلم امیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔ بی ایس پی سے ایک اور کانگریس سے ایک۔ اتر پردیش سے کل ۶ مسلمان کامیاب ہوئے ہیں جو شاید اب تک کی سب سے کم گنتی ہے۔

☆ پاسوان، لالو یادو، شرد یادو، ملائم سنگھ

☆ کانشی رام

> اتر پردیش میں جلد ہی انتخاب ہونے ہیں۔ وہ ایک سنہری موقع ہوگا بی جے پی کو نیست نابود کرنے کا۔ اگر جنتادل کے دونوں گروپ ایک ہو جائیں اور اس سے ایس پی کے ساتھ ساتھ بی ایس پی کا سمجھوتہ ہو جائے تو بی جے پی کی بنیاد کھود کر پھینکنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

اتر پردیش میں جلد ہی اسمبلی انتخابات ہونے ہیں۔ وہ ایک سنہری موقع ہوگا بی جے پی کو نیست و نابود کرنے کا۔ اگر جنتادل کے دونوں گروپ ایک ہو جائیں اور اس سے ایس پی کے ساتھ ساتھ بی ایس پی کا بھی سمجھوتہ ہو جائے تو بی جے پی کی بنیاد کھود کر پھینکنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ پارلیمانی انتخابات میں جنتادل کے ساتھ بی ایس پی کا اتحاد نہ ہونے کے ذمہ دار ملائم سنگھ بھی ہیں۔ ان کی ہٹ دھرمی کی بنا پر بی ایس پی سے اتحاد نہ ہو سکا اور یوپی جنتادل بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ملائم کو صرف اپنی پارٹی کو آگے بڑھانے سے مطلب ہے نہ کہ سیکولر طاقتوں کے اتحاد سے۔ یوپی میں ان کی پارٹی کو زبردست کامیابی تو ملی ہے لیکن بی جے پی کی سبقت اور سیکولر طاقتوں کے انتشار کی قیمت پر ہے جس کی کسی بھی طرح ستائش نہیں کی جا سکتی۔ ایس پی سے اتحاد کے نتیجے میں یوپی سے جنتادل کا صفایا ہو گیا۔ گذشتہ الیکشن میں اس کے ۲۲ امیدوار کامیاب ہوئے تھے لیکن اس بار محض دو امیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔ ایک خلیل آباد سے سریندر یادو اور دوسرے پیلی بھیت سے مینکا گاندھی۔ ان دونوں کی کامیابی کے پیچھے ان کی ذاتی امیج کا ہاتھ ہے نہ کہ پارٹی کا۔ کانگریس جہاں تھی وہیں ہے۔ اس نے گذشتہ الیکشن میں پانچ سیٹیں

باقی: صفحہ ۱۵ پر

یوپی کے یہ ممبران پارلیمنٹ جو مجرمانہ ریکارڈ کے حامل ہیں

اتر پردیش سے منتخب ہونے والے ممبران پارلیمنٹ کی تقریباً ایک تہائی تعداد مجرمانہ ریکارڈ کی حامل ہے۔ ۸۵ ممبران میں سے ۲۸ ممبران ایسے جیت کر آئے ہیں جن کے نام پولیس ریکارڈ میں درج ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ بی جے پی جو کہ سیاست میں جرائم کی آمیزش کے خلاف سب سے زیادہ آواز بلند کرنے کا ڈرامہ کرتی ہے اس کے ممبران سب سے زیادہ ہیں۔ اس کے ۵۲ ممبران میں سے ۱۵ ایسے ہیں جن کا نام پولیس میں درج ہے۔ اس کے بعد سماج وادی پارٹی کا نمبر آتا ہے اس کے ۹ ممبران پارلیمنٹ پولیس ریکارڈ کے حامل ہیں۔ تیسرے نمبر پر بی ایس پی ہے۔

مجرمانہ ریکارڈ کے حامل بی جے پی کے ممبران پارلیمنٹ کے نام یہ ہیں۔ بچی سنگھ راوت (الموڑہ) جی ایل کنوجیا (کھیری) دیوی بخش سنگھ (اناؤ) اشوک سنگھ (رائے بریلی) ونے کٹیار (فیض آباد) ستیہ دیو سنگھ (بلرام پور) پنکج چودھری (مہاراج گنج) گنگا چرن راجپوت (ہمیر پور) راجیندر اگنی ہوتری (جھانسی) بھانو پرتاپ ورما (جالون) شیام بہاری مشرا (بلہور) جگت ویر سنگھ درون (کانپور) نقلی سنگھ (سہارنپور) ہرپال سنگھ ساتھی (ہردوار) مہنت اویدناتھ (گورکھپور)

> یوپی سے تقریباً تیس فیصد مجرمانہ ریکارڈ کے امیدوار جیتے ہیں اس سلسلے میں پولیس کا کہنا ہے کہ اب تک ہم ان کی گرفتاری کے لئے بھاگ دوڑ کرتے تھے اب ان کے تحفظ کے لئے ہمیں بھاگ دوڑ کرنا ہوگا۔

سماج وادی پارٹی کے مجرمانہ ریکارڈ کے حامل ممبران یہ ہیں۔ پھولن دیوی (مرزا پور) پرتاپ سنگھ (امروہہ) شفیق الرحمن برق (مراد آباد) کنور سروراج سنگھ (آنولہ) رام ساگر راوت (بارہ بنکی) رما کانت یادو (اعظم گڑھ) رام سنگھ شاکیہ (اٹاوہ) منور حسن (کیرانہ) اور ملائم سنگھ (مین پور)۔ بی ایس پی کے دو ممبران مجرمانہ ریکارڈ کے حامل ہیں۔ یہ ہیں۔ ڈی پی یادو (سنبھل) اور رام سجیون سنگھ (باندہ) تیواری کانگریس اور کانگریس سے بھی ایک ایک ایم پی اس زمرے میں آتے ہیں یہ ہیں۔ ستیہ پال مہاراج (گڑھوال) اور رام مراری سنگھ (شاہ جہاں پور)۔

ایک طرف ۲۸ ممبران جن کا مجرمانہ ریکارڈ ہے پارلیمنٹ میں پہنچ گئے ہیں جبکہ ایسے تین درج شکست کھا گئے ہیں۔ سماجوادی کے ایسے ۱۳ امیدوار ہارے ہیں جبکہ بی جے پی کے اس قسم کے پانچ، بی ایس پی کے تین ۶۰ کانگریس کے اور تین تیواری کانگریس کے ہار گئے ہیں۔ یوپی سے تقریباً تیس فیصد ایسے ممبران جیتے ہیں۔ اس سلسلے میں پولیس کا کہنا ہے کہ اب تک ہم ان کی گرفتاری کے لئے بھاگ دوڑ کرتے تھے اب ان کے تحفظ کے لئے ہمیں بھاگ دوڑ کرنا ہوگا۔

عیسائی اور یہودی اسکولوں پر نوازشوں کی بارش اور مسلم اسکولوں کے ساتھ سوتیلا سلوک

مساوات کی علمبردار برطانوی حکومت کی مسلم دشمنی ملاحظہ ہو

برطانیہ نہ صرف خود کو ساری جمہوریتوں کی ماں کہتا ہے بلکہ خود کو دنیا کے تمام اچھے اصولوں کا علمبردار بھی تصور کرتا ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ انصاف کی میزان میں اکثر اس کے دعوے غلط ثابت ہوتے ہیں۔ برطانیہ کا دعوی ہے کہ وہ تمام مذاہب کو ایک نظر سے دیکھتا اور سیکولرازم کا علمبردار ہے۔ لیکن سچائی اس کے برعکس ہے۔ اہانت مذہب کے تعلق سے ساری دنیا جانتی ہے کہ برطانوی قانون صرف عیسائیت کی اہانت کے خلاف ہے۔ اب یہ بات سامنے آئی ہے کہ برطانوی حکومت ایک مدت سے ہزاروں عیسائی اور درجنوں یہودی مذہبی اسکولوں کی مالی مدد کرتی ہے لیکن مسلمانوں کے مذہبی اداروں کی مدد کرنے سے کترا رہی ہے۔ اس کھلم کھلا امتیاز کے باوجود برطانیہ تمام مذاہب کو ایک نظر سے دیکھنے اور ان کے درمیان مساوات برتنے کا دعوی کرتے نہیں تھکتا۔

عرصہ ہوا برطانیہ، خاص طور سے لندن، بریڈفورڈ اور دوسرے شہروں کے مسلمانوں نے حکومت سے اپیل کی تھی کہ ان کے قائم کردہ اداروں کی بھی ویسے ہی مدد کی جائے جیسے کہ عیسائی و یہودی اسکولوں کی کی جاتی ہے۔ مگر برطانوی حکومت نے ان کی یہ درخواست مسترد کردی تھی۔

برطانوی مسلمان اور ان کے اسکولوں کے سربراہ ایک بار پھر حکومت سے اپیل کرنے والے ہیں کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ گذشتہ سال برطانوی حکومت نے مسلم اسکولوں کی مالی مدد کی درخواست اسکولوں کی عمارت اور نصاب کے قابل اطمینان نہ ہونے کی بنا پر رد کردی تھی۔ اس فیصلے پر صاف ذہن کے بعض صحافیوں نے جو عیسائی ہیں، یہ اعتراض کیا تھا کہ اگر اسی پیمانے پر حکومتی تعاون سے چلنے والے اداروں کو پرکھا جائے تو ہزاروں کو بند کرنا پڑے گا۔

صرف برطانیہ کی حکومت ہی نہیں بلکہ وہاں کے دانشوروں کا ایک بڑا طبقہ بھی مسلم اداروں کو حکومتی مالی مدد دینے کے خلاف ہے۔ پہلی وجہ تو ان کی نسل پرستانہ ذہنیت ہے۔ دوسرے وہ یہ کہتے ہیں کہ مذہبی اسکولوں میں اضافہ سے مذہبی تناؤ اور سماجی تقسیم میں اضافہ ہوگا۔ دراصل وہ اسلام کو

> سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہودی اور عیسائیوں کے اسکولوں کے بارے میں اس طرح کی شرطیں کیوں نہیں رکھی جاتیں۔ مشنری اسکولوں میں باقاعدہ غیر عیسائی طلبا کو بھی عیسائیت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن کوئی ان پر اعتراض نہیں کرتا۔

غلطی سے ایسا مذہب تصور کرتے ہیں جو مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان خلیج قائم کرتا اور نفرت پھیلاتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمان ایسے مذہبی قوانین کو سیکولر قوانین سے برتر مانتے ہیں۔ مثلاً ارتداد سے متعلق وہ برطانوی قانون کے بجائے اسلامی قوانین کی حمایت کرتے ہیں جو مرتد سے اس کے شہری حقوق چھین لیتا ہے۔ ان اعتراضات کے جواب میں مسلمان کہتے ہیں کہ یہ سب تعصبات ہیں جو زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں جن میں نہ پہلے سچائی تھی اور نہ اب ہے۔ اسلام نہ نفرت پھیلاتا ہے اور نہ سماج میں تناؤ اور تقسیم کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام اعتدال اور دوسرے مذاہب کو برداشت کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

جب ان دانشوروں سے کہا جاتا ہے کہ کیوں نہ امریکی پالیسی کے مطابق ریاست و حکومت عیسائی، یہودی اور مسلم تمام اسکولوں کی مالی مدد بند کرکے یہ اعلان کردے کہ حکومت کی مدد سے چلنے والے اسکولوں میں کسی بھی مذہب کی تعلیم نہیں دی جائے گی تو وہ کہتے ہیں کہ ایسا برطانیہ میں ممکن نہیں ہے۔ دراصل درجنوں یہودی اور ہزاروں چرچ کے اسکولوں کی حکومت مدد کرتی ہے۔ اگر وہ ان کی مدد بند کردے تو حکومت گر سکتی ہے اور ایک سیاسی ہنگامہ کھڑا ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر حکومت صرف مسلم اسکولوں کی مدد سے انکار کرتی ہے تو پھر اس پر الزام آئے گا کہ وہ امتیاز سے کام لے رہی ہے۔

بعض برطانوی دانشور اس صورتحال کو دیکھ کر یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ مسلم اسکولوں کی مدد کی جائے۔ اسی کے ساتھ وہ شرطیں بھی عائد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے بقول بعض عیسائی و یہودی ادارے بہت اچھے ہیں اور بعض ان مقامات پر جہاں حکومتی اسکول کم تعداد میں ہیں، اچھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس لئے ان اسکولوں کا قائم رہنا ضروری ہے۔ لیکن پھر اسی کے ساتھ مسلم اسکولوں کی بھی مدد ہونی چاہیے۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ایسے ناقابل قبول مطالبے بھی کرتے ہیں کہ یہ مسلم مذہبی اسکول سیکولر قانون کے خلاف تعلیم نہیں دیں گے یا مذہب کی بنیاد پر غیر مسلم بچوں کا داخلہ نہیں روکیں گے۔ یعنی اپنے اسکول کے دروازے سب کے لیے کھلا رکھیں گے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہودی اور عیسائیوں کے اسکولوں کے بارے میں اس طرح کی شرطیں کیوں نہیں رکھی جاتیں۔ مشنری اسکولوں میں باقاعدہ غیر عیسائی طلبا کو بھی عیسائیت کی تعلیم دی جاتی ہے، لیکن کوئی ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ مسلمانوں کے ان اعتراضات میں کافی دم ہے۔ لیکن برطانوی حکومت و سماج اپنے اچھے اور "برحق" ہونے کے زعم میں ایسی باتیں سننے کے عادی نہیں ہیں۔ انہیں تو بس دوسروں کو نصیحتیں کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔ بہر حال برطانوی مسلم اداروں کی سرکاری مالی مدد کے لئے درخواستیں ایک بار پھر حکومت کے زیر غور آئیں گی۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہر معاملے میں مساوات کے علمبردار اس بار کیا کرتے ہیں؟

☆ برطانوی وزیر اعظم جان میجر امریکی صدر کے ساتھ

وہ امریکی عدالت میں انقلابی تقریر کریگا اور نئے مسلم انقلابی پیدا ہوں گے

رمزی یوسف کے خلاف مقدمہ کے آغاز سے قبل ہی امریکی ایوانوں میں لرزہ طاری ہوگیا ہے

رمزی یوسف جسے گذشتہ سال بے نظیر بھٹو نے امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گرفتار کرکے واشنگٹن کے حوالے کردیا تھا، ایک بار پھر اخبارات کی سرخیوں کی زینت بننے والا ہے۔ امریکی حکومت نے اس پر متعدد الزامات لگائے ہیں جن کے تحت اس پر مقدمہ چلنے والا ہے۔ رمزی یوسف کا مقدمہ جس جیوری کے تحت چلے گا اس کے ججوں کا انتخاب ہونے والا ہے۔ امریکی تفتیشی اداروں کو اندیشہ ہے کہ یوسف ایک بار پھر اس پلیٹ فارم کے ذریعہ اپنے انقلابی خیالات کا اظہار کرے گا اور ساری دنیا میں نشر ہوکر نئے انقلابیوں کو جنم دے گا۔

رمزی یوسف کی گرفتاری کے بعد اس کی شخصیت اور خیالات سے متعلق ملی ٹائمز کے کئی شماروں میں متعدد مضامین شائع ہوئے تھے جن سے قارئین نے یہ اندازہ لگایا ہوگا کہ جسے امریکہ "دہشت گرد" کہتا ہے وہ دراصل ایک انقلابی ہے۔ رمزی اعلی تعلیم یافتہ اور اپنے خیالات کو موثر انداز میں اظہار کرنے پر قادر ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کس طرح خود کو ایک موثر شخصیت بنایا جاتا ہے جو اظہار خیال کو بھی موثر بناتی ہے۔ چنانچہ پاکستان میں اپنی گرفتاری کے وقت اس نے ایف بی آئی کے ایجنٹوں سے کہا تھا کہ بالفرض اگر اسے کسی پریس کانفرنس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اسے اس سے قبل ایک سوٹ اور ٹائی فراہم کی جائے۔ بعد میں اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنی سرگرمیوں پر مشتمل

> امریکی حکومت نے اس پر متعدد الزامات لگائے ہیں جن کے تحت اس پر مقدمہ چلنے والا ہے۔ رمزی یوسف کا مقدمہ جس جیوری کے تحت چلے گا اس کے ججوں کا انتخاب ہونے والا ہے۔ امریکی تفتیشی اداروں کو اندیشہ ہے کہ یوسف ایک بار پھر اس پلیٹ فارم کے ذریعہ اپنے انقلابی خیالات کا اظہار کرے گا اور ساری دنیا میں نشر ہوکر نئے انقلابیوں کو جنم دے گا۔

ایک کتاب لکھنا چاہتا ہے۔

لیکن رمزی یوسف نے اس وقت سب کو چونکا دیا تھا جب اس نے خود کو معصوم ثابت کرنے یا بہانے بازی کے بجائے جرات مندانہ انداز میں یہ بیان دیا تھا کہ فلسطینی اور لبنانی امریکہ کے فوجی و غیر فوجی ٹھکانوں اور ایجنٹوں پر حملے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ اس اسرائیل کی مدد کررہے ہیں جس نے ان کی سرزمین پر ناجائز غاصبانہ قبضہ کررکھا ہے۔

امریکہ کے تفتیش کرنے والے ایجنٹ اس نئے قسم کے "مجرم" کے بارے میں کافی حیرت زدہ ہیں۔ یہ رونے گڑگڑانے، مسکین صورت بناکر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے بجائے اپنے کارناموں کو فخریہ بیان کرتا ہے۔ بعض تفتیشی افسران یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ رمزی یوسف ایک بڑی انانیت کا شکار ہے اور اکثر وہ ان کارناموں کا بھی کریڈٹ لیتا ہے جو فی الواقع اس نے انجام نہیں دیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یوسف کا خیال ہے کہ مسلم دنیا میں اسے اس کے کارناموں کی وجہ سے اچھے نام سے یاد کیا جائے گا۔ رمزی کے وکیلوں کا خیال ہے کہ وہ معصوم ہے مگر اس کے بیانات اسے نقصان پہونچا سکتے ہیں۔

> امریکہ کے تفتیش کرنے والے ایجنٹ اس نئے قسم کے "مجرم" کے بارے میں کافی حیرت زدہ ہیں۔ یہ رونے گڑگڑانے، مسکین صورت بناکر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے بجائے اپنے کارناموں کو فخریہ بیان کرتا ہے۔

رمزی یوسف پر اصل الزام یہ ہے کہ اس نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے بم دھماکے کا پلان تیار کیا تھا۔ اب اس ۲۹ سالہ انقلابی پر یہ الزام بھی لگایا جارہا ہے کہ اس نے ۱۹۹۵ء میں ایک ہی دن میں ۱۱ مسافر بردار جہازوں کو بم سے اڑانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس پر یہ الزام بھی ہے کہ اس نے ۱۹۹۴ء میں ایک فلپائنی جہاز کو بم سے اڑایا تھا جس سے ایک جاپانی باشندہ ہلاک اور دس دوسرے زخمی ہوگئے تھے۔ مگر رمزی کے وکیل روئے گلکسر کا کہنا ہے کہ وہ معصوم ہے اور یہ سارے الزامات بکواس ہیں۔

اس سال کے آخر میں رمزی یوسف پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر بم دھماکے کے سلسلے میں بھی مقدمہ چلے گا جس میں پہلے ہی چار مسلمانوں کو عمر قید کی سزا دی جاچکی ہے۔ رمزی یوسف کو امریکی عدلیہ پر اعتماد نہیں ہے۔ چونکہ وہ پڑھا لکھا ہے اس لئے امریکیوں کو اندیشہ ہے کہ وہ عدالت میں اپنے تحفظ میں بولنے کے حق کو استعمال کرتے ہوئے ایسے خیالات کا اظہار کرے گا جس سے امریکہ کی دوغلی اور ظالمانہ پالیسیوں کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ مستقبل کے ایسے ہی کسی متوقع اثر کو زائل کرنے کے لئے امریکیوں نے ابھی سے اس کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کردیا ہے۔

وفیات

اسلام کی سیاسی قوت کے احیاء کے بغیر اعلائے کلمۃ اللہ کا حق ادا نہیں ہو سکتا

برطانیہ میں مسلم پارلیامنٹ کے بزرگ رہنما اور عالمی شہرت یافتہ مفکر کلیم صدیقی کی موت پر

ڈاکٹر راشد شاذ کے تاثرات

ابھی گذشتہ مارچ کی بات ہے کلیم صدیقی مرحوم سے لندن میں ان کی قیام گاہ پر تفصیلی ملاقات ہوئی تھی۔ رخصت کرتے وقت پوچھنے لگے پھر کب ملاقات ہو رہی ہے؟ "انشاء اللہ جلد ہی ہوگی لندن تو ایسی گذر گاہ ہے جہاں سے میرا اکثرت سے گذر ہوتا ہے۔" میں نے اجازت لینے کی کوشش کی۔ فرط محبت میں میرا ہاتھ تھام لیا۔ آنکھوں میں عجب سی چمک پیدا ہوئی کہنے لگے میں بھی ایک ایسے چورستے پر بیٹھا ہوں۔ ملاقات ضرور ہوگی۔ کسے معلوم تھا کہ کلیم صاحب یوں اچانک اس طرح لندن کی گذر گاہ سے اٹھ کر ایک ایسے چورستے پر جا بیٹھیں گے جہاں سے کسی کو مفر نہیں۔

آخری ملاقات کے دوران اس بات کا تو واضح احساس ہوتا تھا کہ وہ اب جلدی میں ہیں اور بعض بچے کھچے کام جلد از جلد نپٹانا چاہتے ہیں۔ انہیں اس بات کا بڑا اطمینان تھا کہ انہیں اللہ تعالی نے اپنی زندگی کی آخری تصنیف مکمل کرنے کی مہلت دے دی ہے۔ اس لئے جوں ہی ہفتوں کی بے ہوشی سے زندگی کی طرف لوٹے پوری یکسوئی کے ساتھ اس کتاب کی تکمیل میں جٹ گئے۔ کتاب مکمل ہوئی، طبع ہوئی اور اس موقع پر ایک کانفرنس سے آپ نے خطاب بھی کیا۔ اب انتظار کی تاب نہ تھی، ضروری کام نمٹ چکے تھے سفر آخرت کو مزید روکنے کا اب کوئی جواز نہ تھا۔

کلیم صاحب کی زندگی ایک متحرک انسان کی زندگی تھی۔ ہردم رواں دواں۔ مسلم انسٹی ٹیوٹ سے مسلم پارلیامنٹ کے سفر میں ایک خواب کو سچ کر دکھانے کا جنون ہے۔ اس جنون نے آپ کو ایک انتہائی متنازعہ شخصیت میں تبدیل کر دیا۔ خاص طور پر ایران کے انقلاب کے بعد آپ نے جس جوش و جذبے کے ساتھ ایرانی انقلاب کی حمایت کی اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی کہ ایران کے انقلاب سے انہیں ایسا لگنے لگا تھا جیسے دنیا بھر میں خوشگوار تبدیلیوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ پھر اس انقلاب کی حمایت میں اور اس کو عالمی سطح پر اور خاص طور پر سنی دنیا میں قابل قبول بنانے کے لئے آپ نے شب و روز ایک کر دیا۔ لیکن انقلاب سے اٹھنے والی گرد جب بیٹھ گئی تو ایسا لگا جیسے ع خواب تھا جو کچھ بھی دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ عالمی اسلامی برادری کو خطاب کرنے والا ایران جلد ہی شیعہ ایران میں تبدیل ہو گیا۔

عمر کے آخری حصے میں کلیم صاحب کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ وہ اپنی سر توڑ جدوجہد کے باوجود ایرانی قیادت کو شیعیت کے خول سے باہر نکالنے میں ناکام رہے۔ گوکہ بعض روشن خیال علماء کی تائید و حمایت انہیں آخری وقت تک حاصل رہی لیکن جمہور علماء کے لئے کلیم صدیقی قابل قبول نہ تھے۔ بعض شیعہ متشددین نے تو یہاں تک ہنگامہ مچایا کہ کلیم صاحب کے لئے تہران کا سفر روحانی اذیت کا باعث بن گیا۔ غالی شیعوں کا خیال تھا کہ یہ شخص ایران میں سنی اسلام کی تبلیغ کرتا ہے، شیعیت کے مسلمہ عقائد پر ضرب لگاتا ہے اور شیعہ سنی مفاہمت کے نام پر شیعیت کی اساسی تصویر ہی بدل دینا چاہتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ وہی ایران جو آیت اللہ خمینی مرحوم کے زمانے میں کلیم صدیقی کی راہوں میں دیدہ و دل فراش کیے دیتا تھا وہاں ان کی شان میں گستاخیاں ہوئیں بدتمیزیاں کی گئیں۔ ایک موقع پر آپ نے زچ ہو کر غالی شیعوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے اہل ایران! نہ تو مجھے تمہاری شکل صورت پسند ہے نہ ہی مجھے تمہارے خطہ ارضی سے کچھ دلچسپی۔ نہ تو میں تمہاری زبان و ادب کا شائق ہوں اور نہ تمہاری فارسی تہذیب کا دلدادہ۔ میں تو صرف یہ سن کر یہاں آیا ہوں کہ تم کہتے ہو ہمارے ہاں اسلام آیا ہے۔ ہم نے ایک اسلامی انقلاب برپا کیا ہے۔ واللہ تم اگر اسلام کے آنے کا دعوی نہ کرتے تو میں ہرگز یہاں قدم نہ رکھتا۔"

> اے اہل ایران! نہ تو مجھے تمہاری شکل صورت پسند ہے نہ ہی مجھے تمہاری خطہ ارضی سے کچھ دلچسپی۔ نہ تو میں تمہاری زبان و ادب کا شائق ہوں اور نہ تمہاری فارسی تہذیب کا دلدادہ۔ میں صرف یہ سن کر یہاں آیا ہوں کہ تم کہتے ہو ہمارے یہاں اسلام آیا ہے۔ ہم نے ایک اسلامی انقلاب برپا کیا ہے۔ واللہ تم اگر اسلام کے آنے کا دعوی نہ کرتے تو میں ہرگز یہاں قدم نہ رکھتا۔

دور دراز کے ملکوں میں عام لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ کلیم صاحب نے پوری طرح اپنی حمایت ایرانیوں کی جھولی میں ڈال دی ہے۔ ایرانی خارجہ پالیسی سے اس حد تک قربت نے ان کے لئے بے شمار مسائل پیدا کر دئے تھے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے بے شمار فدائین اسلام جو کلیم صاحب کی تحریروں کے شائق تھے جو ان کی بے تکلف انگریزی نثر کی قدر کرتے تھے اور جو سیاسی امور میں ان کی بالغ نظری کو تسلیم کرتے تھے ان کے حلق سے یہ بات اترتی نہ تھی کہ کلیم صاحب جیسا صاحب نظر کس طرح اپنے آپ کو پوری طرح ایران سے Identify کر سکتا ہے۔ گوکہ یہ بات فی نفسہ صحیح نہ تھی لیکن اس تاثر کے عام ہونے سے نقصان یہ ہوا کہ کلیم صاحب جیسے شخص کو جمہور امت سے اس درجے کی حمایت نہیں مل پائی جو ان کا حق تھا۔ اور میرے خیال میں یہی بات بر صغیر ہند و پاک میں بھی کلیم صاحب کے پیغام کے لئے ایک عوامی غلغلہ پیدا کرنے میں رکاوٹ بنی۔

> عمر کے آخری حصے میں کلیم صاحب کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ وہ اپنی سر توڑ جدوجہد کے باوجود ایرانی قیادت کو شیعیت کے خول سے باہر نکالنے میں ناکام رہے۔ گوکہ بعض روشن خیال علماء کی تائید و حمایت انہیں آخری وقت تک حاصل رہی لیکن جمہور علماء کے لئے کلیم صدیقی قابل قبول نہ تھے۔

ملی پارلیامنٹ کے قیام کے بعد جب ملکی اور بین الاقوامی پریس میں رد عمل پر مشتمل مخالفانہ مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری تھا میں ہالینڈ میں ایک کانفرنس میں شرکت کے بعد لندن پہونچا تھا۔ کلیم صاحب کا پیغام ملا کہ وہ ملاقات چاہتے ہیں۔ میں نے حاضری کی ہامی بھر لی۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر ان کی قیام گاہ پر پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میری تحریروں کی فائل لئے بیٹھے ہیں اور انہیں جا بجا نشان زد کر رکھا ہے۔ کہنے لگے میں نے دو بارہ آپ کی چیزیں پھر پڑھی ہیں اور ان کے ایک ایک نقطہ سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ اس نتیجے پر تیس سال پہلے پہونچ گئے ہیں۔ یعنی یہ کہ اسلام کے سیاسی نظام کے احیاء کے بغیر اعلائے کلمۃ اللہ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

بنیادی امور میں اتفاق اور ہم آہنگی کے باوجود ہمارے درمیان بعض سیاسی مسائل پر شدید اختلاف رہا لیکن اس کے باوجود آپ کی شفقت و محبت اور لطف و کرم میں کبھی کمی محسوس نہ ہوئی۔ مجھ جیسے تہی دست کی کلیم صاحب جس طرح عزت افزائی فرماتے تھے اس سے کسی حد تک اندازہ ہوتا تھا کہ قرن اولی کے ائمہ کرام کے لئے بعض مسائل پر آپس میں شدید اختلاف کے باوجود یہ کیسے ممکن ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے تئیں الفت و کرم کا سلسلہ برقرار رکھیں۔ کہتے ہیں کہ حقیقی محبت اور دوستی کے لئے یہ ضروری نہیں آپ کے خیالات بھی یکساں ہوں کہ ایسی صورت میں خالص محبت میں دوسرے بہت سے عوامل بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ البتہ مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے ناقدین اور اختلاف کرنے والوں سے کچھ ایسی بے لوث محبت رکھتا ہو جس میں اختلافی امور خود بخود گم ہو جاتے ہوں۔ کلیم صاحب ایک ایسے ہی مشفق دوست اور اللہ کے لئے محبت کرنے والوں میں سے تھے۔ مختلف مسائل میں شدید اختلاف کے باوجود نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگتا تھا کہ وہ میرے بہت قریب ہوں۔ ان کی محبت اور ان کا تواضع، ان کا علم اور ان کا عمل، اللہ اور اس کے رسول سے سچی محبت، ہٹو بچو سے دور اسلام کے ایک عام خادم ہونے کے احساس نے انہیں ایک بڑا آدمی بنا دیا تھا۔

برطانیہ میں جن دنوں مسلم پارلیامنٹ کے قیام پر سخت ہنگامہ بپا تھا۔ بعض مسلم دانشوروں نے بھی اس بات پر تشویش کا اظہار کیا تھا کہ مسلم پارلیامنٹ کے قیام سے برطانیہ میں مسلمانوں کی زندگی دشوار ہو جائے گی۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک ہی ملک میں دو پارلیامنٹ کا آخر جواز کیا ہے؟ تب یہ شعور عام نہیں تھا کہ مسلمانوں کا ایجنڈا لیبر یا ٹوری کے ایجنڈے سے مختلف ہے اسے کسی نظام کفر کا حصہ بن جانے کے بجائے اسلامی نظام کے قیام کی راہ ہموار کرنی چاہیئے۔ دیکھا جائے تو مسلم پارلیامنٹ کے قیام اور رشدی مخالف تحریک نے برطانوی مسلمانوں کو بڑے اعتماد سے نوازا ہے۔ آج اگر برطانیہ میں جدید مسلم نسل اپنی اسلامی شناخت پر اعتماد کا اظہار کرتی ہے آج اگر جہاد کے نام سے لوگ شرماتے نہیں اور آج اگر یوروپ میں اسلام ایک تازہ توانا تہذیب کی حیثیت سے سامنے آرہا ہے تو اس میں کلیم صدیقی علیہ رحمۃ کا حصہ شاید سب سے زیادہ ہے۔

ڈاکٹر کلیم صدیقی مرحوم

چین میں جنسی انقلاب کے نام پر فحاشی و بیہودگی کا سیلاب گھروں میں گھس آیا ہے

وہ وقت دور نہیں جب وہاں شادی معیوب اور غیروں سے جنسی تعلق کو شرفاء کا عمل سمجھا جائے گا

چین کے انتہائی طاقتور آنجہانی رہنما ماوزے تنگ جب ۱۹۴۹ میں برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ ملک کے طوائف خانوں کو جبراً بند کردیں۔ یہ آغاز تھا۔ اس کے بعد "ثقافتی انقلاب" کا دور شروع ہوا جس میں بہت سی باتوں کے علاوہ جنسی تعلق کی بھی ایک نئی تعبیر و تشریح شامل تھی۔ ماوزے تنگ نے پہلے کمیونسٹ فوجیوں اور کارکنوں ہی پر اپنا نظریہ جنس نافذ کیا۔ بیرکوں میں مردوں اور عورتوں کو الگ الگ رکھا جاتا۔ شادی شدہ فوجی بھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔ انہیں اپنی بیوی یا شوہر سے جنسی تسکین کے لئے ہفتے میں صرف تیس منٹ کا وقفہ ملتا تھا۔ اسی کے ساتھ کمیونسٹ پارٹی نے عریانیت اور فحاشی کے خلاف بھی سخت اقدامات کرتے ہوئے جنسی خواہش بیدار کرنے والے ملبوسات پر پابندی لگادی۔ ۱۹۵۰ میں پارٹی نے شادی کا قدیم طریقہ ختم کرکے ایک نیا شادی ایکٹ نافذ کیا جس کے مطابق کسان لڑکیوں کی شادی پروفیسروں اور دانشوروں سے اس امید پر کی گئی کہ وہ بگڑے ہوئے یعنی کمیونزم سے برگشتہ اہل علم کی اصلاح کریں گی۔ ماوزے تنگ کے نزدیک سیکس محض افزائش نسل کا ایک ذریعہ تھا۔ جنسی خواہش، محبت، خاص طور سے رومانوی عشق وغیرہ محض بکواس تھے۔

لیکن آج چین بالکل بدل گیا ہے۔ ممکن ہے ایسا اس لئے ہوا ہو کہ ماوزے تنگ خود اس معنی میں بے ایمان تھے کہ انہوں نے بہت ساری دیہاتی لڑکیوں کو داشتہ کے طور پر رکھ چھوڑا تھا۔ جبکہ طوائف خانوں کو بند کرکے اس قسم کی مراعات سے انہوں نے عوام الناس کو محروم کردیا تھا۔ کل چین میں برسرعام سیکس کے بارے میں گفتگو کرنا بھی دشوار تھا لیکن آج سیکس سے متعلق ریڈیو اور ٹی وی پر پروگرام پیش کیے جاتے ہیں اور بچوں کو اسکولوں میں سیکس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ "سرگوشیاں نیم شب کی" ریڈیو چین کا ایک انتہائی مقبول پروگرام ہے جس میں سامعین اپنے مسائل فون پر بیان کرکے ان کے حل جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ پورا پروگرام محض جنسی تلذذ یا سستے ذوق کی تسکین کا سامان ہوتا ہے۔

محض الیکٹرانک میڈیا ہی نہیں بلکہ پرنٹ میڈیا یعنی اخبارات و رسائل بھی جنسی مضامین سے بھرے رہتے ہیں۔ بہت سے جنسی سامانوں کے اشتہارات کے علاوہ نیم عریاں تصویریں بھی خوب شائع ہوتی ہیں۔ جگہ جگہ سیکس شاپ دستیاب ہیں جہاں جنس سے متعلق نوع بہ نوع سامان کافی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتے ہیں۔ ماوزے تنگ کے دور میں بغیر شادی کے جنسی تعلق جرم تھا اور ایسے جوڑوں پر نظر رکھنے کے لئے ہر محلے میں کمیٹیاں قائم تھیں۔ مگر یہ سب اب قصہ پارینہ معلوم ہوتا ہے۔ آج نہ صرف غیر شادی شدہ نوجوان جوڑے آزادی سے ملاقات کرتے ہیں بلکہ شادی شدہ جوڑے الگ الگ کلبوں میں جاکر غیر مرد یا غیر عورت سے جنسی تسکین حاصل کرتے ہیں۔ پہلے شادی کے لئے دوشیزگی تقریباً شرط تھی مگر اب ایسا نہیں ہے کیوں کہ ایسی لڑکیاں مشکل سے ملتی ہیں جنہوں نے شادی سے قبل سیکس نہ کیا ہو۔ ماوزے تنگ نے طوائف خانے بند کردیے تھے۔ مگر آج ہر طرف نہ صرف طوائف خانے کھل گئے ہیں بلکہ ہیلتھ کلب کافی تعداد میں وجود میں آگئے ہیں جہاں عشق بازی کا بازار گرم رہتا ہے۔ صحت عامہ کے ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ اس وبا جیسے جنسی انقلاب پر قابو نہیں پایا گیا تو پورا ملک ایڈس کا شکار ہوجائے گا۔

۱۹۷۹ میں چین نے اپنی آبادی کم کرنے کے نقطہ نظر سے ایک بچے کی پالیسی اختیار کی یعنی ایک جوڑا صرف ایک بچے یا بچی کو جنم دے سکتا ہے۔ اس کے فوراً بعد ڈینگ زیاؤپنگ نے معاشی اصلاحات شروع کیں یعنی مغرب کے سرمایہ کارانہ نظام معیشت کو قبول کرلیا۔ مغربی نظام معیشت کے ساتھ اس تہذیب کی بے شمار خرابیاں بھی چین میں در آئیں۔ آج چین کا جنسی انقلاب دراصل معاشی اصلاح کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ ۱۹۸۵ میں چین کے اسکولوں میں جنسی تعلیم شامل نصاب کی گئی۔ آغاز میں اس کا اثر

> حال ہی میں ایک ماں نے جب اپنے بارہ سالہ بچے کے بستر پر جنسی عمل کے آثار دیکھے تو وہ اسے قریبی ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ وہاں اسے پتہ چلا کہ یہ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ بچے کے دانستہ عمل کی وجہ سے تھا۔ والدین یہ جاننے کے بعد ڈر گئے اور انہوں نے بچے کو سخت ڈانٹ پلائی تو اس نے کہا کہ اس میں غلط کیا ہے، مجھے تو یہ سب میرے ٹیچر نے اسکول میں پڑھایا تھا۔

بہت محدود تھا۔ کیونکہ اساتذہ نیم عریاں تصویروں کو پھاڑ کر کتابیں طلبہ کو دیتے تھے۔ مگر اب ایسا نہیں رہا۔ چنانچہ اسکولوں میں جنسی تعلیم کا اثر اب ہر جگہ نمایاں ہے۔ حال ہی میں ایک ماں نے جب اپنے بارہ سالہ بچے کے بستر پر جنسی عمل کے آثار دیکھے تو وہ اسے قریبی ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ وہاں اسے پتہ چلا کہ یہ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ بچے کے دانستہ عمل کی وجہ سے تھا۔ والدین یہ جاننے کے بعد ڈر گئے اور انہوں نے بچے کو سخت ڈانٹ پلائی تو اس نے کہا کہ اس میں غلط کیا ہے، مجھے تو یہ سب میرے ٹیچر نے اسکول میں پڑھایا تھا۔ اگرچہ چین کے ہائر سکنڈری اسکولوں اور

باقی: صفحہ ۹ پر

سادات کی تقریر نے اسکی زندگی بدل دی اور وہ اسرائیل کی پہلی عرب خاتون سیاستداں بن گئی

ثریا نجیدہ اسرائیل میں رہنے والی عرب مسلم ہیں جو کئی اعتبار سے دوسروں سے مختلف ہیں۔ بالعموم اسرائیل میں مسلم عرب خواتین روایتی لباس پہنتی اور خود کو اپنے گھروں تک محدود رکھتی ہیں۔ لیکن ثریا تعلیم یافتہ ہیں اور کبھی کبھار مغربی لباس بھی زیب تن کرتی اور تن تنہا اپنی کار سے پورے اسرائیل میں گھومتی پھرتی ہیں۔

جب نومبر ۱۹۷۷ء میں مصر کے سابق صدر انور سادات نے اسرائیل کا دورہ کیا تو ثریا کافی کم عمر تھیں۔ لیکن انہوں نے راتوں کو جاگ کر صدر سادات کی ساری تقریریں ریڈیو سے سنیں۔ اس واقعے نے ثریا کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ آج وہ ۳۴ سال کی ہیں اور دو بچوں کی ماں ہیں۔ انہیں اسرائیلی سیاست میں پہلی عرب خاتون ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ لیبر پارٹی کے ٹکٹ پر پارلیمنٹ کا الیکشن لڑرہی ہیں۔ اگر وہ فتحیاب رہتی ہیں تو وہ پارلیمنٹ کی پہلی ممبر عرب خاتون ہوں گی۔

اسرائیل میں کل ساڑھے آٹھ لاکھ عرب پائے جاتے ہیں۔ ان میں ۱۵ فیصد کے قریب بدو ہیں اگرچہ اب ان کی اکثریت ویسے روایتی بدو نہیں رہی جن کا ذکر قدیم کتابوں میں ملتا ہے۔ پھر بھی بدوؤں کی ۴۰ فیصد آبادی اسرائیلی صحرا میں کم و بیش روایتی انداز کی زندگی بسر کرتی ہے۔ وہاں قبائلی قوانین اب بھی کسی حد تک رائج ہیں۔ گھر کا سب سے بڑا، گھر کے سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے اور کم عمری کی شادیاں بھی ہوتی ہیں۔ مگر یہ سب بتدریج ختم ہورہا ہے۔ بدو دھیرے دھیرے تعلیم کی طرف راغب ہورہے ہیں۔

> اس واقعے نے ثریا کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ آج وہ ۳۴ سال کی ہیں اور دو بچوں کی ماں ہیں۔ انہیں اسرائیلی سیاست میں پہلی عرب خاتون ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ لیبر پارٹی کے ٹکٹ پر پارلیمنٹ کا الیکشن لڑرہی ہیں۔ اگر وہ فتحیاب رہتی ہیں تو وہ پارلیمنٹ کی پہلی ممبر عرب خاتون ہوں گی۔

ثریا اسرائیل کے ایک عرب گاؤں میں پیدا ہوئیں جس کی آبادی تقریباً ۶ ہزار ہے۔ وہ دس بھائی بہن تھے۔ ان کے والد عام عربوں سے ذرا مختلف تھے اور پاس پڑوس کی یہودی آبادیوں کے رہن سہن اور طرز فکر سے متاثر بھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تمام بچوں کو تعلیم کے لیے اسکول بھیجا۔ اس وقت بچیوں کو تعلیم دلانا غیر معمولی کام تھا۔ آغاز میں گاؤں والوں نے ثریا کے اسکول جانے، خاص طور سے اعلی تعلیم حاصل کرنے کی سخت مخالفت کی۔ ایک وقت تو دباؤ میں آکر ان کے والد نے ان کا اسکول جانا بند کردیا تھا۔ مگر پھر ثریا کی ضد پر انہیں دوبارہ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دی۔ ثریا نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور تل ابیب یونیورسٹی سے جرائم میں ڈگری حاصل کی۔ وہ پہلی عرب طالبہ تھیں جس نے تل ابیب یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی۔ جرائمیات کے مطالعہ کا مقصد پولیس میں نوکری حاصل کرنا تھا۔ تعلیم کے بعد انہوں نے پولیس میں نوکری کی درخواست دی جو منظور ہوگئی۔ لیکن اس وقت ان کی شادی ہوچکی تھی اور وہ حاملہ بھی تھیں جب ان کو نوکری مل جانے کا علم ان کے خسر کو ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئے اور دھمکی دی کہ اگر وہ اپنے ارادے سے باز نہ آئیں تو وہ انہیں ان کے والدین کے گھر بھیج دیں گے۔ اس طرح ثریا اسرائیلی پولیس میں پہلی عرب خاتون ہوتے ہوتے رہ گئیں۔

> ثریا کا یہ کام قابل تعریف ہے کہ وہ عرب خواتین میں تعلیم و بیداری لانا چاہتی ہیں۔ لیکن ان کا مغربی طرز فکر اور رہن سہن اکثر اسرائیلی عربوں کے لیے ناقابل قبول ہے۔ وہ اپنی بچیوں کو تعلیم دینا تو چاہتے ہیں مگر مغربی تہذیب کو اختیار کرنا نہیں چاہتے

ثریا کے شوہر ڈرائیونگ سکھانے میں مہارت رکھنے کے ساتھ تربیت یافتہ مرد نرس بھی ہیں۔ وہ اپنی بیوی کی سرگرمیوں کے سب سے بڑے حامی ہیں۔ ثریا کے والدین نے بھی ان کے نئے طرز حیات سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔ لیکن ان کے خسر اب بھی ان سے ناراض رہتے ہیں۔ خاص طور سے انہیں یہ بات بالکل پسند نہیں ہے کہ وہ اپنی کار چلا کر پورا اسرائیل گھومتی پھرتی رہیں۔

ثریا پورے اسرائیل کا بے مقصد سفر نہیں کرتیں۔ وہ دراصل اسرائیل کی عرب خواتین کے درمیان تعلیم بالغاں کی زبردست مہم چلائے ہوئے ہیں۔ ان کے کام کو دیکھ کر مقامی میئر نے انہیں اپنا معاون بنالیا۔ ۶ سال قبل انہوں نے عرب بدو خواتین کے لئے ایک نیشنل کونسل قائم کی۔ آج اس کونسل کی چار ہزار ممبر خواتین ہیں جن میں سے بعض عرب عیسائی ہیں لیکن زیادہ مسلم خواتین ہیں جن میں بدو بھی شامل ہیں۔ انہوں نے عرب گاؤوں میں خواتین کلب بھی قائم کیے ہیں تاکہ عرب عورتیں وہاں جمع ہوکر تبادلہ خیالات کرسکیں۔ وہ اکثر ان کلبوں میں بچوں کی پرورش و

باقی صفحہ ۹ پر

کانگریس ختم ہوجائے گی اور راؤ بی جے پی میں شامل ہوجائیں گے

راؤ اور باجپئی گہرے دوست ہی نہیں آر ایس ایس کے ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں

اس وقت ملک کی سیاسی صورتحال اتنی تیزی سے بدل رہی ہے کہ کسی قسم کی سیاسی پیشین گوئی کرنا ایک قسم کا خطرہ مول لینا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اخبار نویس طبقہ طرح طرح کی قیاس آرائیوں میں مصروف ہے۔ ایک واقعے کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کا کام جاری ہے۔

اگرچہ کانگریس نے اعلان کیا ہے کہ تیسرے محاذ کی حمایت کا خط صدر کو تاخیر سے ارسال کرنے میں کوئی سازش نہیں تھی لیکن بعض سیاسی مبصرین اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ان لوگوں کے مطابق کانگریس کے صدر نرسمہا راؤ نیا کھیل کھیل رہے ہیں جس کے مطابق وہ بی جے پی کے ساتھ مل کر آئندہ کسی بھی وقت ملی جلی سرکار بنا سکتے ہیں۔ مبصرین کا یہ وہ طبقہ ہے جو راؤ کو ایک انتہائی چالاک سیاستداں کے ساتھ آر ایس ایس کے نظریے کا حامی بھی تصور کرتا ہے۔

باجپئی اور راؤ میں کم از کم ایک چیز مشترک ہے۔ وہ یہ کہ دونوں ہی اپنے ہندو تو کو ایڈوانی اور ان کے بریگیڈ کے مقابلے میں ذرا نرم انداز میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی یہ دونوں کھلم کھلا مسلمانوں کو دھمکیاں دینے کے بجائے انہیں اندر سے یا ان کا دوست بن کر نقصان پہنچانے کے قائل ہیں۔

باجپئی جی کو ہندو ہی نہیں بہت سے مسلمان بھی غلطی سے اچھا بھاجپائی تصور کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک اچھا انسان، جسے کسی دوسرے مذہب خاص طور سے اسلام کے نام لیواؤں سے کسی بھی درجے میں دشمنی نہ ہو تو وہ بھلا بی جے پی میں کیسے رہ سکتا ہے یا بی جے پی اسے اپنا لیڈر اور وزیراعظم کیسے بنا سکتی ہے؟ دراصل بات وہی ہے کہ باجپئی بھی آر ایس ایس کے نظریوں میں پوری طرح یقین رکھتے ہیں۔ ان میں اور ایڈوانی وغیرہ میں فرق صرف یہ ہے کہ ایک اپنے انتہاپسندانہ خیالات کا اظہار برملا کرتا ہے اور دوسرے یعنی باجپئی جی کو اپنی نفرت پر قابو پاکر میٹھی میٹھی باتیں کرنے کا فن آتا ہے۔ نرسمہا راؤ جی بھی باجپئی جی جیسے "نرم ہندو تو" کے قائل ہیں۔ نرسمہا راؤ کے بارے میں کسی نے کہا ہے کہ وہ دھوتی کے نیچے خاکی نیکر پہنتے ہیں۔ اگر واقعتاً ایسا نہ بھی ہو تو اس جملے کا استعاری مفہوم واضح ہے یعنی یہ کہ راؤ جی آر ایس ایس اور بی جے پی کے تئیں نرم رویہ رکھتے ہیں۔ جہاں تک ان کے آر ایس ایس سے متاثر ہونے کا تعلق ہے تو اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ نظام حیدر آباد کے خلاف آر ایس ایس کی مہم میں انہوں نے حصہ لیا تھا۔ بی جے پی کے تئیں ان کے نرم رویہ کی مثال اس وقت دیکھنے کو ملی جب انہوں نے لوک سبھا کے ڈپٹی اسپیکر کی پوسٹ بی جے پی کو دے دی جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ راؤ جی کے آر ایس ایس سے تعلق یا اس کے نظریے سے متاثر ہونے ہی کی وجہ سے ایک بار بی جے پی صدر ایڈوانی نے انہیں لال بہادر شاستری کے بعد سب سے اچھا وزیراعظم ہونے کا خطاب دیا تھا۔ ایڈوانی ہی نہیں بلکہ بی جے پی کے دوسرے انتہاپسند لیڈر بھی راؤ جی کے وزیراعظم بننے سے کافی خوش ہوئے تھے کیونکہ نظریاتی اعتبار سے وہ انہیں کے کیمپ کے تھے اگرچہ عملی سیاست میں وہ کانگریس کے ممبر تھے۔

کانگریس کی تاریخ میں ہمیشہ ایک طبقہ ایسا رہا ہے جو اس کے سیکولرزم کے بجائے "نرم ہندو تو" کا علمبردار رہا ہے۔ ہندوستان کے پہلے وزیر داخلہ پٹیل کا نام ایسے "بھاجپائیوں" میں سر فہرست ہے۔ ایسے ہی بھاجپائی ذہنیت کے کانگریسی کے ایم منشی، دوار کا پرساد مشرا اور پرشوتم داس ٹنڈن بھی تھے۔ جنہوں نے کانگریس میں رہ کر آر ایس ایس کے پالیسی و پروگرام پر عمل کرنے کی کوشش کی۔

کانگریس کی تاریخ میں ہمیشہ ایک طبقہ ایسا رہا ہے جو اس کے سیکولرزم کے بجائے "نرم ہندو تو" کا علمبردار رہا ہے۔ ہندوستان کے پہلے وزیر داخلہ پٹیل کا نام ایسے "بھاجپائیوں" میں سر فہرست ہے۔ ایسے ہی بھاجپائی ذہنیت کے کانگریسی کے ایم منشی دوار کا پرساد مشرا اور پرشوتم داس ٹنڈن بھی تھے۔ جنہوں نے کانگریس میں رہ کر آر ایس ایس کے پالیسی و پروگرام پر عمل کرنے کی کوشش کی۔

انگریزی روزنامہ پائنیر کے ایسوسی ایٹ ایڈیٹر کلدیپ کمار نے ایک بی جے پی لیڈر سے، جن کا نام انہوں نے واضح نہیں کیا ہے، اپنی ایک گفتگو کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۱۹۷۰ کی دہائی میں راؤ جی وشو ہندو پریشد کے پروگراموں میں شریک ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے راؤ کی اس بے عملی کی جو اس وقت دیکھنے کو ملی جب بابری مسجد گرائی جا رہی تھی۔ راؤ دراصل یہی چاہتے تھے کہ بابری مسجد مسمار کرکے اس کی جگہ مندر بنا دیا جائے، چنانچہ وہ تین دن تک کچھ کرنے کے بجائے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے رہے۔ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آر ایس ایس کے سابق سربراہ بالا صاحب دیورس کے چھوٹے بھائی بھاؤ راؤ دیورس نرسمہا راؤ کے قریبی دوست تھے۔ اپنے انتقال سے قبل انہوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ نرسمہا راؤ کی قیادت میں کانگریس اور بی جے پی کی ملی جلی سرکار بننی چاہئے۔ بھاؤ راؤ دیورس کا مشورہ یا تجویز اسی لئے سامنے آئی تھی کیوں کہ انہیں راؤ جی کے اصل چہرے کا علم تھا یعنی وہ بھی نظریاتی اعتبار سے آر ایس ایس ہی کے آدمی تھے۔

باجپئی بھی آر ایس ایس کے نظریوں میں پوری طرح یقین رکھتے ہیں۔ ان میں اور ایڈوانی وغیرہ میں فرق صرف یہ ہے کہ ایک اپنے انتہاپسندانہ خیالات کا اظہار برملا کرتا ہے اور دوسرے یعنی باجپئی جی کو اپنی نفرت پر قابو پاکر میٹھی میٹھی باتیں کرنے کا فن آتا ہے۔ نرسمہا راؤ جی بھی باجپئی ہی جیسے "نرم ہندو تو" کے قائل ہیں

راؤ کی آر ایس ایس سے نظریاتی قربت ہی کی وجہ سے بعض مبصرین کانگریس کے تیسرے محاذ کو غیر مبہم حمایت دینے کے اعلان کے باوجود ابھی تک اس شبہے کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہ کوئی ایسی چال چلیں گے جس سے کانگریس پوری طرح ختم ہوجائے اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بی جے پی میں داخل ہوجائیں یا اپنے دھڑے کے ساتھ ایک ملی جلی سرکار میں شامل ہوجائیں۔ یہ مبصرین یہ بھی کہتے ہیں کہ راؤ کی باتوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ بابری مسجد کی مسماری سے قبل وہ جو کچھ کہتے رہے تھے، وقت آنے پر انہوں نے کیا اس کے برعکس۔ گویا ضروری نہیں ہے کہ راؤ اس بار بھی وہی کریں جو وہ کہہ رہے ہیں۔ تیسرے محاذ کی حمایت سے متعلق خط کو تاخیر سے ایوان صدر ارسال کرکے بہرحال راؤ جی نے ایک بار پھر یہ ثابت کر دیا ہے کہ انہیں آر ایس ایس کے نظریات سے ہمدردی ہے، اسی لئے اس نظریے کے حامل شخص کو وزیراعظم بننے دینا چاہتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ راؤ اور باجپئی گہرے دوست ہیں۔ اور اگر نظریاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو دونوں ہی نرم ہندو تو کے علمبردار ہیں۔ گویا دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

بقیہ چین میں جنسی انقلاب کے نام پر فحاشی

کالجوں میں ڈسپلن سخت ہے اور طلبہ و طالبات کو کھلم کھلا پیار کرنے، ایک دوسرے کو بوسہ لینے یا ایسے دوسرے جنسی اعمال کی اجازت نہیں ہے لیکن لوگ پھر بھی عشق بازی اور جنسی تعلق دونوں کے لئے مواقع اور طریقے ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ چنانچہ ایک سروے کے مطابق گریجویشن سے پہلے ۳۰ فیصد سے زائد طلبہ و طالبات جنسی طور پر سرگرم ہوچکے ہوتے ہیں۔ اور گریجویشن کے بعد ۵۰ فیصد اسٹوڈنٹس جنسی عمل کرچکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کم عمری - نابالغ - حاملاؤں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ "نابالغ" سے مراد یہاں ان بچوں اور بچیوں سے ہے جن کی عمر بالترتیب ۲۲ اور ۱۸ سال سے کم ہوتی ہیں۔ یہ بچے بالعموم اپنے والدین کے ساتھ رہتے ہیں۔ گھر اور اسکول دونوں جگہ عشق بازی و جنسی عمل کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ مگر یہ لوگ پھر بھی سب کر لیتے ہیں۔ یا تو یہ لوگ کچھ کرائے پر چند گھنٹوں کے لئے مکان حاصل کر لیتے ہیں یا پھر گھر پر اس وقت یہ کام کر لیتے ہیں جب ماں باپ کام پر چلے جاتے ہیں۔

ماؤزے تنگ کے دور میں طوائفوں کو سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ مگر اب وہ کھلے عام گھومتی پھرتی ہیں اور پارکوں، سڑکوں اور ساحل پر گاہکوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔ یہی نہیں اکثر شاہراہوں پر ایسے ہوٹل بنے ہوئے ہیں جہاں ٹرک ڈرائیوروں کی جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے عورتیں کرائے پر دستیاب ہیں۔ پیشہ ور طوائفوں کے علاوہ ایسی خواتین اور مرد بھی ہیں جو اپنی شادی شدہ زندگی سے غیر مطمئن ہیں وہ غیر مرد یا عورت سے تعلق کی فکر میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے بھی پورے چین، خصوصاً بڑے شہروں میں بے شمار نائٹ کلب اور دوسری تفریح گاہیں کھل گئی ہیں۔

چین کے اس جنسی انقلاب کا اثر سب سے زیادہ شادی شدہ زندگی پر پڑا ہے۔ شادی کو بہت سارے لوگ محبت اور رومانس کا قبرستان کہنے لگے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ شادی شدہ جوڑے غیروں سے سیکس کرنے میں عار نہیں محسوس کرتے۔ بیجنگ کی پیپلز یونیورسٹی میں ایک سروے سے معلوم ہوا ہے کہ کم از کم ۱۰ فیصد شادی شدہ لوگ غیروں سے جنسی تعلق قائم کئے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے شادی شدہ جوڑوں میں جھگڑے فساد ہوتے ہیں اور نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ گزشتہ چند سالوں میں چین میں طلاق کی شرح میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔

چین کے سماجی ماہرین اس جنسی انقلاب کے نتیجے میں بکھرتے ہوئے جنسی سماج کے بارے میں فکر مند ہیں۔ ۱۹۸۰ سے جنس سے متعلق پانچ سو سے زیادہ کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں سے بہتوں میں غیر شادی شدہ سیکس اور بکھرتے ہوئے خاندانی نظام کی خرابیاں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن ان کوششوں کا اثر نہ ہونے کے برابر پڑا ہے۔ آج چین میں مغربی تہذیب کا سب سے خراب پہلو یعنی جنسی انارکی پورے شباب پر ہے۔ طلبہ و طالبات شادی سے پہلے اور شادی شدہ جوڑے غیروں سے جنسی تعلق قائم کر رہے ہیں۔ ہم جنسی کی وبا بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ گویا چین نے نہ صرف مغربی سرمایہ داری کو درآمد کیا ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ان کی جنسی بیہودگی کو اپنے ملک میں رواج دیا ہے۔ ہندوستان کا نام نہاد روشن خیال طبقہ پہلے ہی مغربی تہذیب کی تمام خرابیوں میں لت پت ہے۔ معاشی اصلاحات کے نتیجہ میں متوسط طبقے میں جس دولت کے آنے کی توقع کی جارہی ہے اسی کے ساتھ مغرب کی جنسی بے راہ روی کے آنے کا بھی اندیشہ ہے۔ کچھ دنوں بعد شاید ہندوستان کا حال بھی چین جیسا ہو یا اس سے بھی بدتر ہو۔

بقیہ، سادات کی تقریر نے اس کی زندگی بدل دی

وصحت، خواتین کی حیثیت و مقام اور امن کے عمل کے موضوع پر لکچر کا بھی اہتمام کرتی ہیں۔ عرب خواتین کے لئے انہوں نے بہت سے ورکشاپ بھی کیے ہیں۔

ثریا کی کوششیں اس وقت بار آور ثابت ہوئیں جب وزیر اعظم کے آفس کے علاوہ ورلڈ یہودی تنظیم نے ان کے کاموں میں مالی معاونت شروع کردی۔ آج وہ اس حکومتی کمیٹی کی ممبر ہیں جو اسرائیل کی عرب آبادی کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت نے قائم کی ہے۔ اسی طرح وہ بہت سی مشاورتی کمیٹیوں کی ممبر ہیں جو خواتین کے مسائل اور عرب و مسلم ممالک سے تعلقات کی غرض سے قائم کی گئی ہیں۔

ثریا کا یہ کام قابل تعریف ہے کہ وہ عرب خواتین میں تعلیم و بیداری لانا چاہتی ہیں۔ لیکن ان کا مغربی طرز فکر اور رہن سہن اکثر اسرائیلی عربوں کے لیے ناقابل قبول ہے۔ وہ اپنی بچیوں کو تعلیم دینا تو چاہتے ہیں مگر مغربی تہذیب کو اختیار کرنا نہیں چاہتے۔ عالمی یہودی تنظیم، جس نے اسرائیل کے قیام میں اہم کردار ادا کرنے کے علاوہ بے شمار عربوں کو قتل کیا ہے، اس سے مدد لینا بھی باعث تشویش ہے۔

۱ تا ۱۵ جون ۱۹۹۶

بھاجپا کے اقتدار میں آنے سے ہندوستانی سیاست کا مکر

نئی حکومت دراصل پچاس سالہ مسلم دشمن دورِ حک

وزارت عظمیٰ کے لئے باجپئی کی نامزدگی کے ساتھ ہی ہندو احیا پرستوں کے درمیان خوشیوں کے اظہار کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے رنگ و رقص اور مٹھائیوں کی تقسیم کا کاروبار جاری ہے اور گویا ایک ایسا تاثر دیا جارہا ہے جیسے قدیم ہندوستان کی ہندو تہذیب کو پھر سے دہلی کی سرزمین پر حکومت کا موقع مل گیا ہے۔ یہ کچھ وہی صورتحال ہے جس کا اظہار ۱۹۴۹ میں سومناتھ کے مندر کی تعمیر نو کے ذریعے کیا گیا تھا۔ جب ایک سیکولر حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں نے سردار پٹیل کی سربراہی میں شرکت کی تھی۔ تبھی اہل نظر پر یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ ہندوستان کی آزادی کے نام پر سیکولر ہندوؤں کے ذہن میں بھی انگریزوں سے آزادی نہیں بلکہ ہزار سالہ مسلم حکمرانی سے نجات بھی شامل ہے ورنہ اچانک آزادی کے بعد ہی سومناتھ کے علامتی مندر کی تعمیر نو کی بات کیوں سوچی جاتی۔ لیکن اب کوئی نصف صدی کے بعد خود کو علی الاعلان احیا پرست کہنے والے لوگوں کو حکمرانی کا موقع ملا ہے تو چہار طرف یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ گویا سیکولر ہندوستان کا وجود خطرے میں ہے۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی سیکولر ہندوستان کا کبھی وجود تھا ہی نہیں ہاں اکثریت کے جبر و استبداد کو کل تک سیکولرزم کا نام دیا جاتا تھا اور آج اسے بھارتیہ جنتا پارٹی نے حقیقی قوم پرستی کا نام دے دیا ہے، پھر محض ناموں کی تبدیلی سے چیزوں کی ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

> قرآن کی رو سے اس ملک کی قابل ذکر مسلم آبادی پر کسی بھی غیر مسلم سیاسی پارٹی کو حکومت کا حق نہیں دیا جاسکتا۔ ہمیں سختی سے منع کیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے امور غیر مسلموں کے ہاتھوں سونپ دیں۔ پھر حکومت خواہ کانگریس کی بنے یا بی جے پی یا تیسرے فرنٹ کی۔ قرآن کی رو سے یہ سب کی سب ناجائز حکومتیں ہیں پھر بھلا مسلمان اس نئی صورتحال سے خوفزدہ کیوں ہے؟

وہ تمام حضرات خواہ ان کا تعلق مسلمانوں کی جماعتوں سے ہو یا انہیں مختلف مساجد یا مدارس کی مسند نشینی حاصل ہوگئی ہو وہ تمام لوگ جو کل تک اس ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کا نام کانگریس یا اس قبیل کی دوسری مسلم دشمن جماعتوں سے کام لینا چاہتے تھے اب وہ رفتہ رفتہ اپنا قبلہ بھاجپا کی طرف تبدیل کرتے جارہے ہیں۔ کل تک وہ تمام لوگ جو کانگریس کی حکمرانی کو اس ملک میں مسلمانوں کے تحفظ کے لئے لازم خیال کرتے تھے اور جنھوں نے کانگریس کو ووٹ دینے کے لئے بڑی بڑی اپیلیں جاری کی تھیں اب ان تمام حضرات نے بھاجپا سے ہی نیک توقعات وابستہ کرلی ہیں۔ اور اپنے بیان میں برملا اس بات کا اظہار کرتے نہیں تھکتے کہ اٹل بہاری باجپئی کی قیادت میں بی جے پی مسلمانوں کے لئے فال نیک ثابت ہوگی، اس قسم کے اظہار سے صرف ایک بات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ ان تمام حضرات کا ایمان کائنات کے رب کے بجائے چھوٹے چھوٹے انسانوں پر کہیں زیادہ ہے۔ جبھی یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کے لئے کافی نہیں۔

ہم نے پہلے بھی یہ بات کہی تھی کہ مرکز میں حکومت بی جے پی کی بنے یا نرسمہا راؤ کو دوبارہ حکمرانی کا موقع ملے یا تیسرے محاذ کے کسی منچلے کے ہاتھوں حکومت کی باگ ڈور کیوں نہ آجائے مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں جب تک کچھ نہیں آتا ہمارے لئے اس بات کی کچھ بھی اہمیت نہیں کہ کس کے ہاتھ کیا آتا ہے اور کیا نہیں۔ رہے وہ لوگ جو کسی خاص غیر مسلم پارٹی کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق دینے کے لئے جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں تو وہ صرف حماقت کے شکار نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کی ہدایت کے منکر ہیں۔ قرآن کی رو سے اس ملک کی قابل ذکر مسلم آبادی پر کسی بھی غیر مسلم سیاسی پارٹی کو حکومت کا حق نہیں دیا جاسکتا۔ ہمیں سختی سے منع کیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے امور غیر مسلموں کے ہاتھوں سونپ دیں۔ پھر حکومت خواہ کانگریس کی بنے یا بی جے پی یا تیسرے فرنٹ کی۔ قرآن کی رو سے یہ سب کی سب ناجائز حکومتیں ہیں پھر بھلا مسلمان اس نئی صورتحال سے خوفزدہ کیوں ہے؟

یہ بات بھی یاد رہے کہ گذشتہ پچاس سالہ دور حکمرانی میں مسلمانوں پر جبر و ظلم کا ہر طریقہ آزمایا جاچکا ہے۔ فسادات، نسل کشی اور معاشی اور روحانی طور پر کمزور کرنے کے لئے طرح طرح کی اسکیمیں ترتیب دی گئیں اور ان پر کمال عیاری کے ساتھ عمل کیا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جنھوں نے اپنی معصوم سی سیکولر امیج بنائی ہوئی ہے وہ بھی مسلمانوں کو اس ملک میں مجبور و بے بس بنادینے کی سازش میں برابر کے شریک رہے ہیں۔ پٹیل نے اگر ۱۹۴۹ میں ایک خفیہ سرکولر کے ذریعہ اہم عہدوں پر مسلم آفیسروں کی ماموری پر پابندی عائد کردی تھی تو اس طرح کا حکم

باجپئی کی تقریر سنگھ پریوار کے گمراہ کن پروپیگ

بحیثیت وزیر اعظم باجپئی کے پہلے خط

نومنتخب وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی نے گذشتہ دنوں ریڈیو اور دور درشن پر عوام کے نام پہلے پیغام میں بہت سی باتیں کہیں۔ ان میں کچھ باتیں ایسی بھی تھیں جو آر ایس ایس کے نظریات سے ٹکراتی ہیں۔ اس لئے ان باتوں پر چونکنا فطری ہے۔ انہوں نے بابری مسجد انہدام کے بارے میں کہا کہ وہ واقعہ کسی منصوبہ بند سازش کا نہیں بلکہ مرکزی حکومت کی ناکارکردگی کا نتیجہ تھا۔ مسٹر باجپئی نے یہ بھی کہا کہ ہندوستان ماضی میں نہ دھارک ملک رہا ہے اور نہ ہی مستقبل میں کبھی دھارک ملک ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ میری حکومت تمام مذاہب اور ان کے ماننے والوں کا احترام کرے گی۔ باجپئی نے کہا کہ اگر مذہب سے جڑے سوالوں کا طویل عرصے تک حل نہ ڈھونڈا جائے تو جو اجودھیا میں ہوا۔ فرقہ واریت کیا ہے اور سیکولرزم کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ ان سوالوں پر کھلے ذہن سے بحث کرنے اور ان کا جواب ڈھونڈنے کے بجائے جنون جگانے کی کوشش ہورہی ہے۔ ہندوستان ایک قدیم ملک ہے۔ اس میں عبادت کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ ہم ایک دیوتا، ایک پیغمبر یا ایک کتاب تک اپنے اعتقاد کو محدود نہیں رکھتے۔ باجپئی نے کہا کہ مذہب معاشرہ اجودھیا جیسے مسائل کا حل دو طرح سے ڈھونڈا کرتا ہے۔ یا تو آپسی گفت و شنید سے یا قانون کے ذریعہ۔ اجودھیا معاملے میں اس سے کوئی بھی راستہ نہیں اپنایا گیا۔ اور یہ تنازعہ برسوں عدالت میں معلق رہا۔ باجپئی نے کہا کہ مغربی ایشیا میں اسلام کے طلوع ہونے کے فوراً بعد عرب تاجروں نے بھارت میں پہلی مسجد کیرالا میں ایک ہندو راجہ کی ریاست میں اس کے آشیرواد سے بنائی۔ اس طرح نئے وزیر اعظم نے بہت ساری باتوں پر اظہار خیال کیا۔

وزیر اعظم کے علاوہ نئی حکومت کے وزیر قانون رام جیٹھ ملانی نے کہا کہ ہندوتو کے ایجنڈے پر عمل کرنے کے لئے بہت عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ اسے ابھی موخر کردینا چاہئے۔ باجپئی اور جیٹھ ملانی کے بیانات بلاشبہ اس جانب اشارہ کررہے ہیں کہ نئی حکومت تمام طبقات کو اور تمام فرقوں کو ساتھ لیکر چلنے کی کوشش کررہی ہے یا ایسا مظاہرہ کررہی ہے۔

باجپئی نے دوسرے موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ وہ کس طرح حالات کے دباؤ میں ہیں اور اس دباؤ سے نبرد آزما ہونے کے لئے کس طرح بیان بازیوں کا سہارا لے رہے ہیں۔

جہاں تک رام جیٹھ ملانی کے بیان کا سوال ہے تو وشو ہندو پریشد نے اس کا زبردست نوٹس لیا ہے اور پریشد کے جنرل سکریٹری آچاریہ گری راج کشور نے ان کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ انہیں اس پر بولنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ نہ تو پارٹی کے ترجمان ہیں اور نہ ہی انہیں اس کا اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسے معاملات پر رائے زنی کریں۔ گری راج کشور کے مطابق ہندوتو کا ایشو ایسا ایشو ہے جس کو موخر نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس پر عمل کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا جاسکتا ہے۔ ہندوتو ہماری بنیاد ہے اور ہم اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یعنی گری راج کشور نے رام جیٹھ ملانی کو ہدف ملامت بنا کر بالواسطہ طور پر باجپئی کو بھی خبردار کیا ہے کہ اگر وہ حکومت میں رہنا چاہتے ہیں تو انہیں ان بنیادی اور جذباتی ایشوز پر وہی لائن اختیار کرنی پڑے گی جو آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد کی ہے۔

جہاں تک باجپئی کے بیان کا تعلق ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ اجودھیا کا واقعہ مرکز کی ناکردگی کی بنا پر ہوا ـــــــــــ اس کو جائز ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ مرکز کی نااہلی بھی بابری مسجد انہدام کا سبب بنی تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقیہ دوسرے لوگ اس ذمہ داری سے بچ جائیں گے۔ ان کا یہ کہنا بھی حق بجانب نہیں ہے کہ انہدام کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھا۔ حقیقت واقعہ تو یہ ہے کہ باضابطہ سازش رچی گئی تھی اور ۶ دسمبر سے قبل وہاں بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ بی ایل شرما پریم کی قیادت میں اس کی ریہرسل بھی ہوئی تھی۔ جس کی شہادت قومی اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ دیں گے اور وہ ویڈیو ٹیپ بھی دیں گے جن میں یہ پوری ریہرسل قید ہے۔ باجپئی جی کا یہ بیان کہ مذہبی معاملات کے سلجھانے میں تاخیر سے اجودھیا جیسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ اس واقعہ کو جائز ٹھہرانے کی کوشش ہے۔ وہ یہ بتانا اور جتانا چاہتے ہیں کہ یہ کوئی غلط نہیں ہوا بلکہ فطری تھا اور یہی ہونا تھا۔ ان کے اس بیان میں دھمکی کا لہجہ بھی ہے۔ وہ اس استدلال کی آڑ میں یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ کاشی اور متھرا میں بھی ایسا واقعہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں مقامات کے معاملات بھی ایک عرصے سے عدالت میں زیر سماعت ہیں اور ان پر بھی کوئی فیصلہ نہیں ہورہا ہے۔ اس لئے اگر ان مقامات پر اجودھیا کی تاریخ دوہرائی جائے تو نہ تو اس پر حیرت ہونی چاہئے اور نہ ہی اسکو غلط قرار دیا جانا چاہئے۔ اس طرح انہوں نے ہندو برگیڈ کو ایک اشارہ بھی دے دیا ہے کہ بی جے پی کی حکومت میں ان دونوں جگہوں پر بھی وہی کچھ کیا جاسکتا ہے جو اجودھیا میں کیا گیا۔ اس لئے ان کے اس بیان کا سخت نوٹس لیا جانا چاہئے۔

وزیر اعظم نے یہ بھی کہا ہے کہ ہندوستان نہ کبھی دھارمک ملک رہا ہے اور نہ ہی آئندہ کبھی دھارمک ملک رہے گا۔ یہ بیان اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ باجپئی حالات کے گھرے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور اس دلدل سے نکلنے

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے / چالیس امریکی ڈالر
ایک از مطبوعات

مسلم میڈیا ٹرسٹ

پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
۱۰۴۹ ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا
فون نمبر۔ ۶۸۲۷۰۱۸ ـ ـ ۶۹۲۶۰۳۰
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

آخر مسلم ممبران پارلیمنٹ کی تعداد کم کیوں ہوتی جارہی ہے؟

حالیہ پارلیمانی انتخابات کے نتائج سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس ملک کے سیاسی نظام سے مسلمانوں کو کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہاں جمہوریت ہے اور جمہوریت میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ گنتی اور اعداد و شمار کے کھیل میں بھی مسلمان پیچھے ہیں بلکہ مسلسل پیچھے ہوتے جارہے ہیں یا کئے جارہے ہیں۔ پارلیمنٹ میں جس جماعت یا جس فرقے کے ممبران کی تعداد جتنی زیادہ ہوتی ہے اسے اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور ملک کے سیاسی نظام میں اس کی بالادستی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔

آزادی کے فورا بعد جب عام انتخابات ہوئے تھے تو مسلم ممبران کی تعداد بہت کم تھی جو دھیرے دھیرے بڑھتی گئی اور ۱۹۸۴ میں سب سے زیادہ ۴۴ مسلمان منتخب ہوکر پارلیمنٹ میں پہنچے۔ لیکن اس کے بعد یہ تعداد پھر کم ہوتی گئی۔ ۱۹۸۹ میں ۲۷ اور ۹۱ میں ۲۵ ہو گئی۔ اس بار یہ تعداد ۲۱ ہے۔ سب سے کم ۵۷ میں منتخب ہوئے تھے اس وقت صرف ۱۹ مسلمان جیت کر ایوان میں پہنچے تھے۔ ۶۲ میں یہ تعداد ۲۰ ہو گئی تھی اور ۶۷ میں ۲۸۔ لیکن ایک بار پھر یہ تعداد گھٹ گئی۔

اس الیکشن میں سب سے زیادہ کانگریس کے مسلم ممبران کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد آٹھ ہے۔ جبکہ سماج وادی سے ۴، جنتادل سے ۶، مسلم لیگ سے ۲ اور بی ایس پی، سی پی ایم اور مجلس اتحاد المسلمین سے ایک ایک امیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔ جبکہ یوپی میں ۶۰ مسلمان امیدوار تھے اور بہار میں ۱۲۳۔

یہ اعداد و شمار اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس ملک میں اپنی سیاسی اہمیت میں اضافہ کرنے کے لئے کچھ ٹھوس حکمت عملی اختیار کرنی ہوگی۔ انہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کے زیادہ سے زیادہ امیدوار کس طرح کامیاب ہوکر پارلیمنٹ میں پہنچیں۔ اس کے لئے اگر سیاسی نظام میں تبدیلی کی ضرورت ہے تو اس کی بھی کوشش کریں۔

اس صورتحال سے ایک اور بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی قائدین کو بھی اپنا محاسبہ کرنا ہوگا۔ ان لوگوں کو بھی اپنے گریبان میں جھانکنا ہوگا جو دوسری سیاسی جماعتوں کی حاشیہ برداری میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ اور ذاتی مفادات کی حصولیابی میں اپنا قبلہ بدلتے رہتے ہیں۔ دراصل ان نام نہاد قائدوں اور رہنماؤں کے پاس نہ تو کوئی ٹھوس پروگرام ہے اور نہ ہی ملت کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی جذبہ۔ کہاں گئے وہ لوگ جو انتخاب کے دوارن کانگریس کے حق میں مہم چلائے ہوئے تھے۔ وہ دستاریں نظر نہیں آرہی ہیں جو نرسمہاراؤ کی شان میں کورنش بجاتی تھیں۔ وہ ٹوپیاں بھی نہیں دکھائی دے رہیں جو کانگریسی کلف سے تروتازہ نظر آتی تھیں۔ وہ شخصیات گم ہوگئیں جو علماء و مشائخ کی کانفرنسیں کرواتی تھیں۔ مسلمانوں نے ان کی اپیلوں کو یکسر مسترد کردیا ہے۔ ان ابن الوقت شخصیات کی کارستانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ایک بار پھر ایوان میں مسلم ممبران کی تعداد تشویش ناک حد تک کم ہوگئی ہے۔ کئی ریاستیں تو ایسی ہیں جہاں سے ایک بھی مسلمان کامیاب نہیں ہوا ہے۔ کیا ملت کے سیاہ و سفید کے مالک اس صورتحال پر غور کرنے کی زحمت کریں گے اور اس کی وجوہات کا پتہ لگائیں گے۔

اسے مت پڑھئے

وہ بھی کیا شخص تھا جو برسوں ننگے پیر پھرتا رہا صرف اس لئے کہ اس کی پسند کا شخص وزارت عظمی کی کرسی پر متمکن نہیں تھا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے ایک دیرینہ کارکن جواہر سنگھ نے کوئی تیس سال پہلے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ وہ اس وقت تک اپنے پیروں میں جوتا نہیں پہنے گا جب تک اٹل بہاری باجپئی ملک کے وزیر اعظم نہ بن جائیں۔ بالاخر اس کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ باجپئی کی وزارت عظمی کے اعلان کے بعد ایک بڑی تقریب میں جواہر نے جوتے میں اپنے پیر ڈال دئے۔ علاقے میں خوشی منائی گئی مٹھائیاں تقسیم ہوئیں۔ جواہر کی عمر اس وقت ساٹھ سال ہے۔ کوئی تیس سال سے جواہر ننگے پیر پھرتا رہا۔ تب لوگ اسے دیوانہ کہتے تھے آج اس کی دیوانگی بالاخر رنگ لائی۔

گویا اس دنیا میں ناممکن کچھ بھی نہیں شرط یہ ہے کہ آپ کرنے کی ٹھان لیں۔ جنہیں دنیا آج دیوانہ قرار دیتی ہے کل وہی لوگ دوراندیش گردانے جاتے ہیں۔

خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

ضرورت ہے تو اس بات کی کہ ہم موجودہ سیاسی صورتحال کا صحیح ادراک کریں اور ایک ایسی صورتحال میں جب ایک واضح مسلم مخالف ایجنڈے کے ساتھ سیاسی اقتدار حاصل کرنے والوں کا سامنا ہو تو مستقبل کے لئے ایک موثر حکمت عملی کی تشکیل کا کام تیز تر کردیں مسلمان کی حیثیت سے ہمیں یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ تاریخی اور تہذیبی طور پر ہندوستان کی سرزمین سے ہمارا جذباتی لگاؤ ہے۔ سرزمین ہند صدیوں اسلامی ثقافت اور جاہ و حکمرانی کا گہوارہ رہی ہے۔ اگر ماضی میں کسی سیاسی حادثے کے نتیجے میں وہ ایک کمزور بے بس اقلیت کی حیثیت میں تبدیل ہوگئے ہیں تو یہ کوئی ایسی صورتحال نہیں جسے تبدیل نہ کیا جاسکے اصولوں کی زندگی میں ایسے نشیب و فراز تو آتے ہی رہتے ہیں۔ لہذا ہمیں کسی مخصوص پارٹی کی حکمرانی سے خوف زدہ ہونے اور حواس باختہ انداز سے کفار و مشرکین سے زندگی کی بھیک مانگنے کے بجائے اللہ کی نصرت کے بھروسے ایک ایسے منصفانہ سیاسی نظام کی تشکیل کے لئے اپنی کوششیں تیز تر کرنی ہوں گی جس میں صرف موجودہ تین سیاسی قوتوں کے بجائے ایک چوتھی مسلم قوت کی احیا کا بھی بھرپور امکان پایا جاتا ہو۔

ایشو کنوا دینا پسند کرے گی؟ کیا وہ یکساں سول کوڈ نافذ نہیں کرے گی؟ کیا وہ کشمیر سے متعلق دفعہ ۳۷۰ کا خاتمہ نہیں کرے گی۔ مختلف ریاستوں میں بی جے پی کی حکومت کے دوران مسلم دشمن اقدامات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ ان ایشوز سے پیچھے نہیں ہٹے گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی حکومت میں تمام مذاہب اور ان کے ماننے والوں کا احترام کیا جائے گا۔ لیکن مختلف ریاستوں میں بی جے پی کی حکومت کی کارکردگی کی روشنی میں اس کی صداقت پر شبہ ہوتا ہے۔ وہ پارٹی جو پورے ملک میں اپنے فسطائی نظریات تھوپنا چاہتی ہو وہ یہ کیسے برداشت کرے گی کہ تمام مذاہب کا احترام کیا جائے اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔

باجپئی جی کا کہنا ہے کہ اس ملک میں جنون جگانے کی کوشش ہورہی ہے اور اجودھیا جیسے معاملات یا تو گفت و شنید سے یا عدالت سے حل کیے جاسکتے ہیں۔ جہاں تک جنون جگانے کا معاملہ ہے تو بی جے پی اس میں پیش پیش ہے۔ فسادات اور ہندو احیا پرستی کی تاریخ ان کے اس بیان کو منہ چڑاتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ دوسرے معاملے میں بی جے پی اور سنگھ پریوار نے عدالت کا کتنا احترام کیا ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یوپی میں بی جے پی کی حکومت نے عدالتی حکم کی دھجیاں بکھیر کر بابری مسجد شہید کردی اور باجپئی عدالتی فیصلے کی دہائی دے رہے ہیں۔ اس معاملے میں عدالتی فیصلے کو نہ ماننے اور گفت و شنید میں اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہنے میں بھی ان لوگوں نے مثال قائم کی ہے۔ پھر بھی کہا جارہا ہے کہ عدالت اور گفت و شنید سے مسئلہ حال کیا جائے۔

باقی صفحہ ۱۲ پر

...وہ چہرہ بے نقاب

...مرانی کی توسیع ہے

...کانگریسی وزارتوں کو مہاتما گاندھی، آزادی سے ...بہت پہلے دے چکے تھے۔ اب اگر اسی طرح کے ...حکم ناموں کو خفیہ کے بجائے برسرعام عمل کے ...لئے لایا جاتا ہے تو اس میں خوفزدہ ہونے کی ...ضرورت کیا ہے۔ لیکن ایک اعتبار سے دیکھا

لئے کتنی گنجائش ہے اور یہ نظام ان پر زندگی کے دروازے کس طرح روز بروز تنگ کردینے کے درپے ہے۔ پھر وہ لوگ جو ایک ذلیل زندگی جینے کے لئے ایک مشرک قوت سے دوسری مشرک قوت کی طرف اپنا قبلہ بدلتے رہتے ہیں

> ...بی جے پی کی نئی حکومت کو دراصل پچاس سالہ مسلم دشمن دور حکمرانی کی توسیع سمجھا جانا چاہئے اس لئے ...بھاجپا کے برسراقتدار آنے سے نہ تو خوفزدہ ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی حیرت سے دانتوں تلے ...انگلیاں دبانے کی۔ ضرورت ہے تو اس بات کی کہ ہم موجودہ سیاسی صورتحال کا صحیح ادراک کریں اور ...ایک ایسی صورتحال میں جب ایک واضح مسلم مخالف ایجنڈے کے ساتھ سیاسی اقتدار حاصل کرنے والوں کا سامنا ہو تو مستقبل کے لئے ایک موثر حکمت عملی کی تشکیل کا کام تیز تر

...جائے تو یہ ایک خوش آئند تبدیلی ہے کہ نام نہاد ...سیکولرزم کا جو پردہ اب تک مسلمانوں کے دل و ...دماغ پر چھایا ہوا تھا اب اس کے ہٹنے کی سبیل ...پیدا ہو گئی ہے اور اب عام سادہ لوح مسلمان کو ...بھی یہ بات بہ آسانی معلوم ہو گئی ہے کہ ...ہندوستان کی موجودہ سیاسی ڈھانچے میں ان کے

انہیں بھی بہت جلد اس بات کا احساس ہوجائے گا کہ اس ملک میں گریہ وزاری اور التجاد فریاد انہیں زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتی۔

بی جے پی کی نئی حکومت کو دراصل پچاس سالہ مسلم دشمن دور حکمرانی کی توسیع سمجھا جانا چاہئے اس لئے بھاجپا کے برسراقتدار آنے سے

...یگنڈے کا نادر نمونہ ہے

...ساب کا پوسٹ مارٹم

تحریر: سہیل انجم

طور پر ایک دھارمک ریاست میں تبدیل کردیا جائے۔ ان کی یہ بات تو صحیح ہوسکتی ہے کہ ہندوستان دھارمک ملک نہیں تھا اسے آر ایس ایس بھی مان سکتا ہے لیکن وہ ان کی یہ بات کیسے تسلیم کرلے گا کہ ہندوستان کبھی دھارمک ملک نہیں بن سکتا۔ اگر وہ یہ مان لے تو اس کی نظریاتی عمارت ہی زمیں بوس ہوجائے گی۔ ایسی صورت میں آر ایس ایس کے قیام کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔ اس کی زندگی کا یہ سب سے قیمتی اور سب سے اہم عرصہ ہے کہ اس وقت مرکز میں اس کی اپنی حکومت قائم ہے۔ وہ حکومت گرجانا منظور کرلے گا مگر اپنی نظریاتی اساس پر آنچ آنا قبول نہیں کرے گا۔

ان کے اس "معترضانہ" بیان پر آر ایس ایس کی خاموشی یہ بتاتی ہے کہ وہ بھی اس وقت تک مہر بہ لب رہنا چاہتا ہے جب تک کہ ایوان میں بی جے پی حکومت کو اعتماد کا ووٹ حاصل نہ ہوجائے۔ آر ایس ایس کی یہ مصلحت اندیش خاموشی یوں ہی نہیں ہے۔ بی جے پی جو مسلم دشمن ایجنڈے پر الیکشن لڑتی رہی ہے وہ ان ایجنڈوں کو کیسے خیر باد کہہ سکتی ہے۔ کیا وہ اجودھیا، کاشی اور متھرا کا

...کے لئے ایسے بیانات دے رہے ہیں جو سنگھ ...پریوار کے بنیادی نظریات سے متصادم ہیں۔ آر ...ایس ایس کا قیام ہی اس مقصد سے ہوا تھا کہ ...ہندوستان کو ہندو راشٹر بنایا جائے۔ اسے مکمل

مطلع سیاست پر علاقائی پارٹیوں کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے

اب مرکز میں کوئی بھی حکومت علاقائی جماعتوں کے تعاون کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی

علاقائی پارٹیاں ہندوستانی سیاست میں ایک مدت سے موجود ہیں ۔ لیکن پہلے کبھی انہیں وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو آج انہیں میسر ہے ۔ آج یہ پارٹیاں اس قدر اہم ہو گئی ہیں کہ ان کی حمایت کے بغیر مرکز میں کوئی حکومت بنتی نظر نہیں آرہی ہے۔

خود کو قومی پارٹی کہنے والی آج کوئی بھی جماعت ملک کے ہر صوبے یا علاقے میں یکساں طور پر مضبوط ہونے کا دعوی نہیں کرسکتی ۔ اگر کانگریس جنوب میں کہیں کہیں مضبوط ہے تو مرکزی بھارت یا ہندی بیلٹ میں اس کا وجود برائے نام ہے ۔ اسی طرح بی جے پی اگر یوپی اور اب کسی حد تک بہار اور مدھیہ پردیش میں مضبوط ہے تو جنوب میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جنتا دل چند صوبوں کے علاوہ کہیں بھی مضبوط نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ خود ایک طرح کی علاقائی پارٹی ہے اور غالبا یہی وجہ ہے کہ علاقائی پارٹیوں سے اس کی خوب چھنتی رہی ہے ۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے کئی صوبے علاقائی پارٹیوں کی جھولی میں آگرے ہیں اور قومی پارٹیاں سکڑتی جارہی ہیں۔

ہندوستان کے سیاسی افق پر علاقائی پارٹیوں کا ظہور کچھ زیادہ باعث حیرت نہیں ہے ۔ دراصل، حالیہ انتخاب گذشتہ ۲۵ سالوں میں واحد انتخاب تھا جس میں کوئی ایک جذباتی نعرہ یا مسئلہ دوسرے تمام مسائل پر حاوی نہیں تھا۔

علاقائی پارٹیوں کے ظہور سے سب سے زیادہ نقصان کانگریس کو پہونچا ہے ۔ یہ امر قابل تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ تقریبا تمام ہی علاقائی پارٹیاں کسی نہ کسی وجہ سے کانگریس سے خفا ہیں ۔ کیونکہ یہی سب سے قدیم پارٹی ہے اور آزادی کے بعد اکثر اوقات یہی مرکز میں برسر اقتدار رہی ہے ۔ مضبوط مرکز کی حامی ہونے کے ناطے کانگریس نے اکثر علاقائی تمناؤں کو پامال کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ آج ساری ہی علاقائی پارٹیاں، ڈی ایم کے، تیلگو دیشم، آسام گن پریشد، اکالی دل اور شیو سینا وغیرہ اسی پارٹی سے سب سے زیادہ ناراض ہیں۔

علاقائی حقائق سے کانگریس کی دوری یا لاعلمی کی مثال کے طور پر لوگ بالعموم دو واقعات پیش کرتے ہیں:

اول یہ کہ نرسمہا راؤ نے تامل ناڈو کانگریس کی تمناؤں کو ٹھکرا کر آل انڈیا انا ڈی ایم کے سے اتحاد کیا اور انتخابی دنگل میں بری طرح پٹ گئے ۔ دوسری مثال مدھیہ پردیش کی ہے۔ راؤ صاحب دوسرے درجے کے لیڈروں کو نہ ابھرنے دینے کے اصول پر اتنی سختی سے کاربند تھے کہ انہوں نے یکے بعد دیگرے ارجن سنگھ، مادھو راؤ سندھیا، شکلا برادران اور کمل ناتھ کو چلتا کردیا اور بے چارے اکیلے دگ وجے سنگھ پر مدھیہ پردیش کا قلعہ فتح کرنے کی ذمہ داری ڈال دی جس میں وہ بری طرح ناکام ہوگئے۔

سچ یہ ہے کہ علاقائی حقائق سے کانگریس کی دوری کا آغاز مسٹر راؤ سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا ۔ آزادی کے بعد جواہر لعل بلکہ شاستری جی کے دور تک کانگریس علاقائی حقائق اور تمناؤں کو اچھی طرح سمجھتی تھی ۔ زبان کی بنیاد پر موجودہ صوبوں کے تشکیل میں آنے سے بہت قبل کانگریس پارٹی نے پردیش کمیٹیاں اور ضلع کمیٹیاں بنائی تھیں ۔ پارٹی کی تنظیم انہیں بنیادوں پر قائم تھی اور انہیں دو سطحوں کے لیڈروں کے کام اور سوچ کی بنیاد پر کانگریس کے مرکزی لیڈر اپنی پالیسیاں وضع کرتے تھے۔

لیکن جب مسز گاندھی برسر اقتدار آئیں تو انہیں علاقائی لیڈروں کی اہمیت ایک آنکھ نہ بھائی ۔ انہوں نے اس سنڈیکیٹ کو ختم کرکے ساری کانگریسی سیاست کو اپنی ذات کے محور کے گرد گھومنے پر مجبور کردیا ۔ سارے اہم فیصلے وہ خود کرتیں ۔ صوبائی لیڈروں کو محض نظر انداز ہی نہیں کیا گیا بلکہ صوبوں کے وزراء اعلی کو من چاہے انداز میں ہٹایا جانے لگا ۔ اسی طرح صوبوں میں قائم اپوزیشن حکومتوں کو ختم کرکے صدر راج قائم کرنے کا کلچر بھی انہیں کے دور میں شروع ہوا ۔ راجیو گاندھی بھی اپنی ماں ہی کے بیٹے تھے اور وہ بھی انہیں کی پالیسیوں پر گامزن رہے ۔ نرسمہا راؤ کے دور تک اندرا کی پالیسیاں کانگریس کلچر بن چکی تھیں ،لہذا وہ بھی اسی کلچر کے اسیر بنے رہے ۔ لیکن کم از کم مسز گاندھی اور راجیو گاندھی کی شخصیتوں میں ایک کشش تھی اور وہ اپنے بل بوتے پر ووٹ لینے کی صلاحیت رکھتے تھے ۔ چنانچہ ان کے دور میں علاقائیت کو بہت زیادہ فروغ نہ مل سکا ۔ بلاشبہ تلگو دیشم نے تلگو عزت کے نام پر اندرا گاندھی کو اور بعد میں راجیو گاندھی کو ایسا دھچکا دیا تھا جو انہیں سوچنے پر مجبور کرتا مگر اقتدار کا نشہ ان پر اس قدر طاری تھا کہ وہ ایسے جھٹکوں سے ہوش میں آنے والے نہ تھے۔

نرسمہا راؤ بے چارے کے پاس گاندھی خاندان کا کرشمہ کبھی تھا ہی نہیں ۔ وہ کانگریس کلچر کی پیداوار تھے ،وہ کلچر جو علاقائی حقائق سے بہت دور تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ انتخاب میں کانگریس کو اپنی تاریخ کی بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے ۔ علاقائی حقائق سے دوری اور علاقائی آرزوؤں کو نظر انداز کرنے کا جو سلسلہ مسز گاندھی سے شروع ہوا تھا وہ نرسمہا راؤ کے دور میں اپنے عروج پر پہونچ چکا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف علاقوں کے عوام نے کانگریس کو بڑے پیمانے پر مسترد کردیا ہے ۔ تامل ناڈو ، آسام ، پنجاب ، مہاراشٹر ، بنگال اور آندھرا پردیش کے عوام نے علاقائی پارٹیوں کو کانگریس اور دوسری قومی پارٹیوں پر ترجیح دے کر یہ ثابت کردیا ہے کہ علاقائی تمناؤں کو نظر انداز کرنا کتنا خطرناک ہوسکتا ہے

☆ کرونا ندھی، چندرا بابو نائیڈو

نرسمہا راؤ بے چارے کے پاس گاندھی خاندان کا کرشمہ کبھی تھا ہی نہیں ۔ وہ کانگریس کلچر کی پیداوار تھے وہ کلچر جو علاقائی حقائق سے دور تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ انتخاب میں کانگریس کو اپنی تاریخ کی بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے ۔ علاقائی حقائق سے دوری اور علاقائی آرزوؤں کو نظر انداز کرنے کا جو سلسلہ مسز گاندھی سے شروع ہوا تھا وہ نرسمہا راؤ کے دور میں اپنے عروج پر پہونچ چکا تھا۔

بقیہ: جے للتا کا خیمہ اکھڑ گیا

اور نہ ہی انہیں حکومت چلانے کا کوئی تجربہ تھا عوام بھی کانگریسی حکومت سے نالاں تھے ۔ اس کا فائدہ آسام گن پریشد نے اٹھایا اور پرفل کمار موہنتا دوسری بار وزیر اعلی بن گئے ۔ پہلی بار وہ ۱۹۸۵ میں وزیر اعلی بنے تھے ۔ موہنتا آسو کی تحریک چلارہے تھے اور جب راجیو گاندھی سے ان کا سمجھوتہ ہوا تو انہوں نے آسام گن پریشد نام کی ایک سیاسی تنظیم بنائی ۔ اس کے بانی صدر بنے اور جب الیکشن ہوا تو زبردست اکثریت سے کامیاب ہوئے ۔ ۲۵ سال کی عمر میں وزیر اعلی بننے کا انہوں نے عالمی ریکارڈ قائم کیا اور گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ان کا نام درج ہوا ۔ پانچ برس تک ان کی حکومت چلی اور جب الیکشن ہوا تو اس میں کانگریس کامیاب ہوئی ۔ لیکن ایک بار پھر آسام گن پریشد کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور آگئی ہے ۔ موہنتا کے سامنے دو سب سے بڑے مسائل ہیں ۔ ایک الفا تحریک اور دوسرا نام نہاد بنگلہ دیشی دراندازی ۔ کیا وزیر اعلی ان دونوں مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے اور کیا بنگلہ دیشی دراندازوں کی آڑ میں وہاں کے حقیقی باشندوں پر مظالم توڑنے کا سلسلہ بند ہوگا ۔ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ موہنتا خود ایک زمانے میں دراندازی کے خلاف تحریک چلارہے تھے اور ان کا اقتدار اسی کا مرہون منت تھا ۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان کی حکومت کے دوسرے دور میں آسام کے مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے۔

بقیہ: ضرورت ہے ستر وزراء کی

کوڈ کی تنفیذ کے ساتھ اجودھیا میں شاندار مندر کی تعمیر کو ترجیح دے گی ۔ گویا اس موقع سے بی جے پی اپنی بات صدر کے منہ سے کہلوائے گی اور بعد میں اسے اپنے لئے پروپیگنڈہ کے طور پر استعمال کرے گی۔

اوپر کا تجزیہ اس بات پر مبنی ہے جب بی جے پی شکست مان لے ۔ سردست تو سارے دروازے کھلے ہیں ۔ باجپئی جی نے صرف ۱۱ وزراء کو حلف میں شامل کیا ہے ۔ انہیں اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے لئے کم از کم ۷۰ ممبروں کی ضرورت ہے ۔ بی جے پی کی ایک متوقع حکمت عملی یعنی ممبران کو خریدنے کی طرف ایک انگریزی اخبار کے کارٹونسٹ نے یوں اشارہ کیا ہے کہ " ضرورت ہے ۷۰ وزیروں اور نائب وزیروں کی ، جنہیں وزارت کے ساتھ اور بھی بہت ساری سہولیات حاصل ہوں گی ۔ " گویا خرید و فروخت کو بی جے پی نے بالکلیہ خیر باد نہیں کہا

بقیہ: باجپئی کی تقریر

اس طرح اگر دیکھا جائے تو نو منتخب وزیر اعظم کا بیان مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے لئے شکر میں لپٹی ہوئی زہر کی گولی ہے جسے وہ ان کے حلق کے نیچے اتارنا چاہتے ہیں ، ایک میٹھی چھری ہے جو مسلمانوں کے سینے میں پیوست کردینا چاہتے ہیں ۔ ایک گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے جس کے سہارے وہ عوام کے دلوں میں جگہ بنانا چاہتے ہیں ۔ گویا ان کی پہلی تقریر آر ایس ایس کے مکر و فریب کا جیتا جاگتا اور نمونہ ہے ۔ اس تقریر کی روشنی میں بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر بی جے پی کی حکومت کو اعتماد کا ووٹ مل گیا تو وہ کیا کیا گل کھلائے گی۔

کانگریس کا ازلی دشمن تیسرا محاذ اقتدار کی خاطر کانگریس کا دوست بن گیا

پارلیمانی انتخابات کے بعد سیاسی ابن الوقتی کے بے مثال مظاہرے

ملک کی تقریباً دو درجن سیاسی پارٹیوں میں سے صرف دو ہندوتو کی علمبردار ہیں یعنی بی جے پی اور شیوسینا۔ ان دونوں پارٹیوں کے اس وقت پارلیمنٹ میں ۱۸۵ ممبران ہیں۔ بقیہ اکثر پارٹیاں، خاص طور سے نیشنل فرنٹ، لیفٹ فرنٹ اور کانگریس وغیرہ اپنے اعلان کردہ پالیسی و پروگرام کے مطابق سیکولر ہیں۔ کئی اہم علاقائی پارٹیاں بھی، جن میں ڈی ایم کے، ٹی ایم سی، تلگو دیشم اور آسام گن پریشد شامل ہیں۔ اپنے پروگرام و پالیسی کے اعتبار سے سیکولر ہیں۔ ظاہر ہے سیکولر جماعتوں کے ممبران کی تعداد بی جے پی و شیوسینا کے ممبروں سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن یہ سب مل کر بی جے پی کے بڑھتے ہوئے قدم کو روکنے میں ناکام ہیں، کیوں کہ ان میں آپس میں بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں۔

انتخابات کے نتائج کے بعد سے کانگریس، نیشنل فرنٹ اور لیفٹ فرنٹ نے جس رویے کا مظاہرہ کیا ہے اس سے بس ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثریت کا اعتماد حاصل ہونے کے باوجود یہ پارٹیاں بی جے پی کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتیں۔ انتخابات کے نتائج آجانے کے بعد ان پارٹیوں کے پاس کافی موقع تھا کہ وہ خود کو عوام کی نظروں میں معتبر ثابت کرسکیں۔ لیکن انہوں نے جو کچھ اب تک کیا ہے اس سے نہ صرف ان کا وقار عوام کی نظروں میں مجروح ہوا ہے بلکہ یہ بات بھی واضح ہوتی جارہی ہے کہ ملی جلی سرکار کی زندگی بہت مختصر ہوگی۔

اگر کسی کو یہ امید تھی کہ اپنی ایک سو گیارہ سالہ تاریخ کی سب سے شرمناک شکست کے بعد کانگریس اپنے زندہ ہونے یا ذہنی بیداری کا ثبوت دے گی تو اسے لازمی طور پر مایوسی ہوئی ہے۔ اپنی موت کی طرف تیزی سے بڑھ رہی کانگریس نے

> کانگریس کی حکمت عملی یہ ہے کہ ۱۵ دن میں بی جے پی کی حکومت گرادو اور ۱۵ ماہ بعد تیسرے محاذ کی حکومت گرادیں گے جس کے بعد تازہ انتخابات میں اسے ایک بار پھر برسر اقتدار آنے کا موقع مل جائے گا۔ لیکن کیا واقعی کانگریس نرسمہا راؤ کی قیادت میں ۱۵ ماہ بعد ایسا معجزہ دکھا سکتی ہے یا تیسرا محاذ ۱۵ ماہ تک ناکام حکومت چلانے کے بعد دوبارہ کامیاب ہونے کا خواب دیکھ سکتا ہے۔

مسٹر نرسمہا راؤ کو پھر اپنا لیڈر منتخب کرلیا ہے۔ جو چند اختلافی آوازیں تھیں، وہ ایک بار پھر دبادی گئی ہیں۔ ایک شخص جس نے پارٹی کو گذشتہ پانچ سالوں میں شکست و ریخت کے علاوہ کچھ نہ دیا ہو، اسی پر اس شرمناک شکست کے بعد بھی اعتماد کرنا ذہنی و اخلاقی دیوالیے پن کی علامت ہے۔

نام نہاد تیسرے محاذ کا حال بھی کم و بیش کانگریس ہی جیسا ہے۔ انتخاب سے پہلے اور بعد میں بھی تیسرے محاذ کے تمام اہم لیڈر بی جے پی اور کانگریس دونوں کو برا بھلا کہتے رہے ہیں۔ بی جے پی سے ان کی دشمنی تو اب بھی برقرار ہے مگر کانگریس کے تئیں کچھ نرم رویہ ادھر مصلحتاً اختیار کرلیا گیا ہے۔ انتخاب کے نتائج جیسے ہی آنا شروع ہوئے اور جیسے ہی واضح ہوگیا کہ کانگریس اپنی تاریخ کی بدترین شکست سے دوچار ہونے والی ہے، تیسرے محاذ کے لیڈروں نے مسٹر راؤ کو برا بھلا کہنا شروع کردیا اور حکومت بنانے کے لئے اپنی حکمت عملی اس امید پر بنائی کہ نو منتخب کانگریسی ممبران پارلیمنٹ راؤ کو چلتا کردیں گے یا ان کی ایک بڑی تعداد ٹوٹ کر ان سے آملے گی اور اس طرح ان کی حکومت بن جائے گی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ مسٹر راؤ نے بغیر کسی زحمت کے اپنے مخالفین کو دبالیا اور دوبارہ کانگریس پارلیمانی پارٹی کے لیڈر منتخب ہوگئے۔ اب وہی فرنٹ لیڈر جو دو روز قبل تک نرسمہا راؤ کو بابری مسجد گرانے، اور عوام دشمن معاشی اصلاحات کا آغاز کرنے کا مجرم گردان رہے تھے، ان کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے تاکہ ان کی حمایت سے حکومت تشکیل دے سکیں۔ تیسرے محاذ کے لیڈروں کی دلیل یہ ہے کہ کانگریس بہرحال بی جے پی سے کم خطرناک ہے۔

لیکن تیسرے محاذ کے انتشار اور ذہنی دیوالیے پن کا مظاہرہ اس وقت ہوا جب انہوں نے اپنے درمیان میں سے کسی کو وزیر اعظم منتخب کرنے کا عمل شروع کیا۔ شروع ہی سے دو نام لئے جارہے تھے۔ جیوتی باسو اور وی پی سنگھ۔ اگرچہ یہ دونوں ہمیشہ یہی کہتے رہے ہے کہ وہ اس عہدے کے امیدوار نہیں ہیں، لیکن جب وی پی سنگھ اور دوسرے لیڈروں نے جیوتی بسو پر دباؤ ڈالا تو ان کی پارٹی کی پولٹ بیورو نہ صرف حکومت میں شامل ہونے بلکہ جیوتی بسو کو وزیر اعظم بنانے پر راضی ہوگئی۔ لیکن سی پی ایم کی مرکزی کمیٹی نے پولٹ بیورو کے اس فیصلے کو مسترد کردیا۔ اپنے اتحادیوں کی مشترکہ اپیل کو بھی مرکزی کمیٹی نے مسترد کرکے جب یہ فیصلہ لے لیا کہ سی پی ایم اقتدار میں شریک نہیں ہوگی تو تیسرے محاذ کے سارے لیڈر وی پی سنگھ کی تلاش میں نکلے۔ وی پی سنگھ ۱۹۹۹ تک سیاست سے کنارا کش رہنے کی قسم کھائے ہوئے ہیں، اس لئے انہوں نے بھی معذرت کرلی۔ اس کے بعد ان تمام لیڈروں نے کرناٹک کے وزیر اعلی دیوگوڑا کو اپنا لیڈر منتخب کرلیا اور صدر کے سامنے اپنی حکومت بنانے کا دعوی پیش کردیا۔ کانگریس نے بھی دیوگوڑا کو باہر سے حمایت دینے کا وعدہ کیا لیکن اس ضمن میں صدر کو کافی تاخیر سے آگاہ کیا۔ تیسرے محاذ کے لیڈروں نے اسے پہلے راؤ کی سازش کہا، لیکن جب غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو پھر انہیں کے دروازے پر حاضر تھے تاکہ ۳۱ مئی کو بی جے پی کی حکومت گرا کے پھر سے حکومت کا دعوی پیش کرسکیں۔ اس پوری تفصیل سے تیسرے محاذ اور کانگریس کی جو کیفیت سامنے آتی ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ

SENSATIONAL NEW STAR!
my fair leader
161 HIT NUMBERS
FULL CAST OF 192
THEY'RE HAVING A P.M. FESTIVAL — THERE'S A NEW ONE EVERYDAY

باقی: صفحہ ۱۲ پر

انتخابی نظام کو بدلنا ضروری ہے

ملی ٹائمز کے گذشتہ شمارے میں یوں تو تقریباً سارے موضوعات قابل مطالعہ رہے مگر قائد ملی پارلیامنٹ کا انٹرویو اور موجودہ الیکشن میں مسلمانوں کے رول پر بھرپور تبصرہ حاصل شمارہ ہیں۔ جناب راشد شاذ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ انتخابی نظام کو بدلے بغیر اس میں حصہ لینا ہمیں کسی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں کراسکتا۔ اور ہم ایسے راستے کی تلاش میں ہیں کہ جس میں ووٹ ڈالنا ہمارے لئے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا سبب بنے۔ ہندوستان کے سیاسی حالات اور ان میں مسلمانوں کے رول اور سیاسی پارٹیوں کی طرف سے مسلمانوں کو استعمال کرنے کی چالوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کو تب تک کچھ حاصل نہیں ہوسکتا جب تک وہ خود اقتدار پر فائز نہ ہوجائیں اور اپنے حقوق کی بھیک مانگنے کے بجائے وہ اس پوزیشن میں نہ آجائیں کہ دوسروں کے ساتھ انصاف کرسکیں۔ انٹرویو میں یہ بات بہت پتے کی ہے کہ "ہر مذہبی گروہ کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کے سلسلے میں آزادی ملنی چاہئے موجودہ ڈھانچے میں مسلم نمائندوں کی نامزدگی غیر مسلم سیاسی پارٹیوں کی ہائی کمان کے ذریعہ عمل میں آتی ہے۔ یعنی بنیادی طور پر پارلیمنٹ میں پہنچنے والا ہر مسلمان غیر مسلموں کا نامزد کردہ نمائندہ ہوتا ہے۔ جنہیں غیر مسلم سیاسی پارٹیاں اپنے مفادات کے میزانیے کی روشنی میں نامزد کرتی ہیں " لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس انتخابی نظام کو بدلنے کی کوشش کریں تاکہ ووٹ ڈالنا اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا سبب بن سکے۔

محمود الحسن امرڈوبھا۔ بستی۔ یوپی

مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے نام کھلا خط

محترم شیخ الجامعہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

یونیورسٹی میں آنجناب کی تشریف آوری کو ایک سال ہونے کو ہے۔ اس عرصہ میں آنجناب نے جولائق تحسین اقدامات کیے ہیں انہیں یونیورسٹی کے تمام حلقوں میں اور خاص طور پر طلبہ برادری میں سراہا گیا ہے۔ ایک زمانہ کے بعد یونیورسٹی کا تعلیمی ماحول اس قدر تسلی بخش ہے کہ اس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اللہ اسے باقی رکھے۔ آمین۔

مسلم یونیورسٹی کو ملک کی دیگر یونیورسٹیوں سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ اس کا روایتی اسلامی کردار ہے۔ آج اگر اس یونیورسٹی کی افادیت کسی بھی طور سے مسلمانوں کے لئے کم ہوتی ہے اور دانستہ یا نادانستہ کوششوں سے یہاں مسلم طلباء کا تناسب گھٹتا ہے تو یہ بانی دانش گاہ کے مشن سے دیدہ ودانستہ انحراف کے مترادف ہوگا۔

محترم شیخ الجامعہ۔ صرف یہی ایک یونیورسٹی تھی جہاں اعلیٰ تعلیم باسانی اور کم پیسوں میں حاصل کی جاسکتی تھی اور غریب مسلم والدین یہاں اپنے بچوں کو بھیجنے کی جرات کرسکتے تھے۔ لیکن گذشتہ دنوں آپ کی جانب سے ٹسٹ اور داخلوں وغیرہ کی فیس میں حوصلہ شکن اضافے کو کیا وہ برداشت کرسکیں گے؟

فیس میں اضافے کا فیصلہ آپ نے یونیورسٹی کی بہبودی کے لئے کیا ہوگا لیکن اگر اس کی وجہ سے غریب و متوسط طبقے کے مسلم طلباء کی آمد مشکل ہوجائے یا وہ تعلیم سے محروم ہوجائیں تو یہ ان کی کون سی بہبودی ہوگی۔

کیا دیگر یونیورسٹیز کے ذمہ داران اپنے ادارے کے لئے بہی خواہ نہیں ہیں؟ اور کیا انہیں اپنے ادارے کی مالی پوزیشن کی فکر نہیں ہے؟ اگر اس بڑھی ہوئی فیس کی بناء پر غریب و متوسط مسلم طلباء تعلیم سے محروم رہ گئے تو کیا آپ اللہ کے یہاں جواب دہی سے بچ سکیں گے؟

محترم شیخ الجامعہ۔ ہمارا یہ احساس ہے کہ یونیورسٹی انتظامیہ و طلبہ کے مابین شفقت و محبت کا رشتہ نہیں بلکہ خوف و اضطراب کا ہے۔ طلباء کی اکثریت یونیورسٹی کو پرامن رکھنے اور اپنے مفید مشوروں کے ساتھ یونیورسٹی انتظامیہ کا دست و بازو بننا چاہتی ہے لیکن خوف و بے اطمینانی کی فضا میں جذبات کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ہی نہیں ملتا بلکہ دانستہ طور پر ان کے جمہوری حقوق کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ طلباء و انتظامیہ کے مابین تعلقات جس قدر خوش گوار ہوں گے۔ یونیورسٹی ترقی کے منازل طے کرتی جائے گی۔

سرسید کی اچھی جانشینی یہی ہے کہ مسلم یونیورسٹی کا نظم و نسق مسلم یونیورسٹی کی حیثیت سے چلایا جائے اور یہاں تحصیل علم کو اسی قدر آسان بنادیا جائے کہ جویان علم کو اس سرچشمہ علم سے سیراب ہونے میں مالی دشواریوں کا زیادہ سامنا نہ کرنا پڑے۔

ایس آئی ایم۔ اے ایم یو یونٹ

موجودہ نظام کو کیسے بدلا جائے

ملی ٹائمز کے پچھلے شمارے میں قائد ملی پارلیامنٹ جناب راشد شاذ نے کہا ہے کہ انتخابی نظام کو بدلے بغیر اس میں حصہ لینا ہمیں کسی کامیابی سے ہمکنار نہیں کراسکتا۔ بات تو بہت صحیح ہے لیکن انہوں نے اس پر روشنی نہیں ڈالی کہ انتخابی نظام کو کس طرح بدلا جائے اور اس کی جگہ پر کون سا نظام نافذ کیا جائے۔ دوسری بات یہ کہ یہ ملک ایک سیکولر ملک ہے کیا یہاں اس کی گنجائش ہے؟ کیا یہاں ووٹ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا سبب بن سکتا ہے۔ یہاں کا جو نظام ہے اس میں تو حکومت کی رضا اور ناراضگی کا سبب تو بن سکتا ہے اللہ کی رضا کا سبب نہیں بن سکتا۔ اس لئے ہماری گذارش ہے کہ قائد ملی پارلیامنٹ پہلے وہ نظام پیش کریں جسے نافذ کرنا ہے اس کے بعد موجودہ نظام کو بدلنے کی بات کریں۔ خدا نخواستہ ہمارا مقصد ان کی مخالفت کرنا نہیں بلکہ متبادل کو سامنے رکھ کر بات کرنا ہے۔

راشد علی۔ کانپور

ایک مضبوط مسلم تنظیم کی ضرورت ہے

بے حد خوشی کی بات ہے کہ ملی ٹائمز کے ذریعہ صحافت کا جو کام انجام دیا جارہا ہے اس سے اردو کو جہاں فروغ مل رہا ہے وہیں اردو دانوں پر احسان بھی ہے۔ آپ ملی ٹائمز کے ذریعہ اندرون ملک و بیرون ملک کی اہم خبروں سے قوم کو روشناس کرا رہے ہیں یہ بڑی قومی خدمت ہے اور مردہ قوم میں روح پھونکنے اور ان کو بیدار کرنے کا بہترین طریقہ بھی ہے۔

پٹنہ میں ملی پارلیامنٹ کا اجلاس اور اس کا قیام ہندی مسلمانوں کے لئے ایک امید کی کرن ہے۔ ملی پارلیامنٹ کے قائد جناب راشد شاذ صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے سبھی فرقوں کے علماء و دانشوروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا اور سبھی کو سر سے سر جوڑ کر بیٹھنے اور مسلمانوں کے لئے کوئی حکمت عملی تیار کرنے اور سوچنے پر مجبور کردیا۔ دراصل آج کے دور میں مسلم اتحاد کی سخت ضرورت ہے بغیر اس کے کسی طرح کامیابی ممکن نہیں۔ مسلم لیڈر شپ ملک میں بہت کمزور ہوکر رہ گئی ہے۔

آزادی کے بعد پہلے الیکشن میں گیارہ مسلم ممبر پارلیمنٹ تھے یہ تعداد بڑھ کر ساتویں و آٹھویں لوک سبھا الیکشن میں چوالیس تک پہونچ گئی تھی۔ اس تناسب میں بتدریج کمی آتی چلی گئی۔

ناچیز کا مشورہ ہے کہ ملی پارلیامنٹ کی شاخیں پھیلائی جائیں اور ملکی، صوبائی، ضلعی و علاقائی سطح پر قائم کرکے اس کی باگ ڈور قائد ملی پارلیامنٹ اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ گوکہ یہ کام بہت مشکل ہے پھر بھی امید قوی ہے کہ قائد ملی پارلیامنٹ اپنے مفکرانہ و مدبرانہ انداز و حسن سلوک سے مسلمانوں کا دل جیت لیں گے اور کامیابی حاصل کرلیں گے ا طرح ملک میں مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار دلاسکیں گے۔ ملک میں ایک مضبوط مسلم تنظیم و ایماندار مضبوط سربراہ کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے جو ملی پارلیامنٹ کی شکل میں سامنے ہے امید ہے کہ ہندی مسلمان قائد ملی پارلیامنٹ کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ یہی وقت کی آواز ہے۔ میں ایڈیٹر ملی ٹائمز سے بھی گذارش کروں گا کہ وہ ملی ٹائمز میں اس کے بارے میں روشنی ڈالتے رہیں۔ اس ہفتہ کے اخبار میں قائد ملی پارلیامنٹ کا انٹرویو قرآن و حدیث کی روشنی میں صد فی صد صحیح ہے۔ قائد ملی پارلیامنٹ و ایڈیٹر ملی ٹائمز کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔

ڈاکٹر حافظ نعیم احمد۔ بلتھرا روڈ، بلیا۔ یوپی

مسلم ممبران اور کم ہوگئے

موجودہ پارلیمانی الیکشن کے نتائج پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس بار مسلم ممبران پارلیمنٹ کی تعداد اور کم ہوگئی ہے۔ ابھی ریاست وار پورے ملک کے اعداد و شمار ہماری نظروں سے نہیں گزرے ہیں لیکن اس بار سب سے کم مسلمان جیت کر آئے ہیں ان کی تعداد صرف ۲۱ ہے یوپی میں ۸۵ میں صرف ۶ مسلم ممبران جیتے ہیں اور بہار میں ۵۴ میں محض چار جیتے ہیں۔ جبکہ بہار میں مسلم امیدواروں کی تعداد ۱۲۳ تھی۔ جو چار جیتے ہیں ان میں سے تین جنتادل کے ہیں اور ایک کانگریس کے۔ جبکہ یوپی میں جو ۶ جیتے ہیں ان میں سے چار سماجوادی کے اور ایک ایک کانگریس اور بی ایس پی کے ہیں۔ دراصل یہ سیاسی پارٹیوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔ یہ سب نہیں چاہتیں کہ مسلم ممبران زیادہ سے زیادہ جیت کر آئیں اس لئے ایسی حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے کہ سارے مسلم امیدوار ہار جائیں۔ مسلمانوں کو اس صورتحال سے نپٹنا ہوگا۔

عبدالکریم۔ برگدوا، سدھارتھ نگر

ملی پارلیامنٹ کیوں ضروری ہے؟

سیاسی جغرافیے کی بنیاد کوئی نئی بات نہیں، از سر نو مسلمان ہندوستان میں ابھی ملی پارلیامنٹ کا قیام نہیں کرپائے ہیں۔ یہ ہمارے لئے ایک افسوس ناک مقام ہے۔ ملی پارلیامنٹ کے قیام کے متعلق ملی ٹائمز میں جتنے بھی سوالوں کے جوابات پڑھنے کو ملے ہیں کہیں بھی اثبات و نفی میں تکرار کی گنجائش نہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ علماء دین نے انتخابی معاملات سے متعلق سبھی پہلوؤں پر تشفی بخش جوابات سے اپنی قوم و ملت کو آگاہ کیا ہے۔ اس میں علی گڑھ کی بو بالکل نہیں آتی۔ خدا اور رسول کی اطاعت کو مدنظر رکھتے ہوئے، دنیاداری کی بالادستی سے رستگاری کے لئے ہی ملی پارلیامنٹ کا تذکرہ موزوں سمجھا گیا ہے۔ مذکورہ پارلیامنٹ نہ کوئی احتجاج ہے اور نہ کسی طبقے کے خلاف ہے۔ بلکہ اپنی حاجت روائی کی بہترین راہ مستقیم ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو چاہئے کہ ملی پارلیامنٹ کے قیام پر دلی فخر و مسرت کا اظہار کریں اور ملی پارلیامنٹ کی تشکیل کو عملی جامہ پہنانے میں ہر ممکن تعاون کریں۔ اس مہم کو جلا بخشنے کے لئے ملت کو تعلیم یافتہ ملی طور طریقے سے اقدام کرنا ہوگا اور اخلاقی شعور بیدار کرکے ہی ہم اپنی منزل پاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر مجیب الرحمن عارف سنگارپوری
دمکا (بہار)

ایسی جذباتیت بھی نقصان دہ ہے۔

موقر ملی ٹائمز کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ اس کے مندرجات کا مطالعہ کیا اور پایا کہ یہ ایک اچھا اخبار ہے۔ صفحہ آخر کا مضمون "دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو" ہندوستانی مسلمانوں کی کیفیت کی زبردست عکاسی ہے۔ یہ بات دل کو چھوگئی کہ ہندوستانی مسلمان اپنے خواب کو کھوکر مسلسل پشیمانی کے شکار ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سادھوی رتمبھرا کی زہریلی تقریر بھی پڑھی۔ دراصل ان لوگوں کو زہرپاشی کی کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ یہ لوگ کچھ بھی بکتے رہیں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ مسلمان کھانس دے تو اسے ٹاڈا میں بند کردیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی موضوعات بھی پسند آئے۔ البتہ دلیپ کمار کا مختلف پارٹیوں کے امیدواروں کے حق میں تقریر کرنا اچھا نہیں لگا۔ بہتر ہوتا کہ وہ کسی ایک پارٹی میں جسے وہ بہتر سمجھتے، شامل ہوجاتے۔ اس کا اثر اچھا پڑتا۔ وہ شہنشاہ جذبات ہیں، شاید جذبات میں آگئے اور جو اچھا لگا اس کی انتخابی مہم میں نکل پڑے۔ ایسی جذباتیت بھی نقصان دہ ہوتی ہے۔

اختر عالم، سیتامڑھی۔ بہار

ہندوستانی مسلمان سیاسی بلیک میلر نہیں ہیں

وہ بی جے پی کو ووٹ دے سکتے ہیں اگر وہ ان سے نفرت کرنا چھوڑ دے

> معاصر صحافت کے کالم میں ہم اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات وخیالات سے واقف ہوسکیں۔ (ادارہ)

تحریر: راج کشور

دہلی جامع مسجد کے امام عبداللہ بخاری اور فتح پوری مسجد کے امام مفتی مکرم احمد نے موجودہ الیکشن میں اپنے فتوے جاری نہیں کئے ہوتے تب بھی مسلمانوں کا ووٹ انہیں ہی ملتا۔ جنہیں ملا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں پر اکثر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ووٹ بینک کی طرح سلوک کرتے ہیں۔ یہ بات سچ ہے لیکن الزام جھوٹا ہے۔ الزام جھوٹا اس لئے ہے کہ مسلمان طویل عرصے تک کانگریس کو ووٹ دیتے رہے ہیں لیکن حالات بدل جانے پر انہیں کانگریس کو تج کر جنتا دل یہاں تک کہ کمیونسٹوں کا بھی ساتھ دینے میں کوئی دقت نہیں ہوئی جو مذہب کو افیون مانتے ہیں۔ کل اگر کوئی ایسی پارٹی آجائے جو مسلمانوں کے تحفظ کی قطعی گارنٹی دے تو مسلمان اس کی حمایت کریں گے۔ بات سچ اس لئے ہے کہ عام طور پر مسلمان اجتماعی طور پر ووٹ دیتے ہیں۔ وہ ذاتی مفاد پر کم اجتماعی مفاد پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ یعنی وہ ووٹ بینک تو ہیں لیکن یہ کوئی ایسا بینک نہیں ہے جو کسی ایک ہی اکاؤنٹ ہولڈر کے لئے کھلا ہوا ہو۔ اس بینک میں کوئی بھی اپنا کھاتہ کھول سکتا ہے شرط یہ ہے کہ وہ بینک کو مضبوط کرنے آیا ہو اسے لٹانے نہیں۔

مسلمان ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیا وہ اجتماعی سودے بازی کے جذبے سے کام کرتے ہیں؟ یہ مان کر چلنا پورے مسلم معاشرے کو بلیک میلر قرار دینا ہے۔ ہندوستانی مسلمان بلیک میلر نہیں ہیں وہ چاہیں بھی تو بلیک میلر نہیں بن سکتے۔ انتخابی ہار جیت میں بھی ان کی پوزیشن اتنی فیصلہ کن نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو بھارتیہ جنتا پارٹی آگے نہیں بڑھ پاتی اور اگر بڑھ جاتی تو اقتدار میں آنے کا خواب نہیں دیکھ سکتی۔ بی جے پی نے طے کرلیا ہے کہ اسے مسلم ووٹ نہیں چاہئے۔ اٹل بہاری واجپئی لاکھ گذارش کرتے رہیں کہ مسلمان بھائی بی جے پی سے اپنی بے رخی چھوڑ دیں لیکن وہ بھی جانتے ہیں کہ بی جے پی اور مسلمانوں کے مابین ایک ایسا اختلاف ہے کہ جو دونوں کے تعلقات کو کبھی معمول کے مطابق نہیں ہونے دے گا۔ اگر مسلمان بلیک میل کرنے کی پوزیشن میں ہوتا تو بی جے پی اقتدار پانے کے لئے اپنے آپ کو بلیک میل ہوجانے دیتی۔ لیکن بی جے پی نے تواپنے تمام اصولوں کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا ہے لیکن وہ مسلم دشمنی کے اپنے اصول سے کسی بھی طرح سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہے۔ مسلمانوں کو خوش کرنے کا نام نہاد ایشو اس بار بھی ایک اہم انتخابی موضوع رہا ہے۔

بی جے پی لیڈروں کے ساتھ کچھ مسلمان

مسلمان ایسا اس لئے کرتے ہیں کیونکہ ملک میں بی جے پی کے نظریات والی سیاسی تنظیمیں موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے ہندوستانی مسلمان مسلسل عدم تحفظ کے خوف میں بمتلا رہتے ہیں۔ اور اس خوف کی بنا پر ہی وہ اس پارٹی کو ووٹ دیتے ہیں جس سے انہیں یہ امید ہوتی ہے کہ وہ انہیں بچائے گی۔ یہ تحفظ صرف نظریاتی اور جذباتی سطح پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اقتدار کی سطح پر بھی ہونا چاہئے، کیونکہ مسلمان اپنے تجربات سے جانتے ہیں کہ ہندوستان جیسے ملک میں اقتدار کا رول بہت وسیع اور مرکزی ہے۔ ایک زمانے میں ڈاکٹر رام منوہر لوہیا اور ان کے ساتھی سماجوادی ملک میں مسلمانوں کے سب سے بڑے غم خوار تھے۔ دراصل ان کا انوکھا راستہ ہندوؤں مسلمانوں اور سبھی مذہب کے ماننے والوں کے طویل المدتی مفاد میں تھا۔ پھر بھی مسلمانوں نے اجتماعی طور پر لوہیا اور ان کی پارٹی کو نہیں بلکہ کانگریس کو ووٹ دیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس دور میں لوہیا حکومت سازی کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ کانگریس ہی حکومت بناسکتی تھی۔ لیکن ۶۷ میں جب کانگریس سے مسلمانوں کی وسیع سطح پر ناراضگی ہوئی اور کم سے کم ریاستوں میں اپوزیشن کی حکومتیں بننے کا امکان نظر آیا تو مسلمانوں نے سماجوادیوں کو ہی ووٹ دیا۔ یہی صورتحال ۱۹۷۷ میں بھی ہوئی اس وقت شمالی ہند کے تمام مسلمانوں نے عام ہندوؤں کی لرح ووٹ سلوک کیا۔

> اٹل بہاری واجپئی لاکھ گذارش کرتے رہیں کہ مسلمان بھائی بی جے پی سے اپنی بے رخی چھوڑ دیں لیکن وہ بھی جانتے ہیں کہ بی جے پی اور مسلمان کے مابین ایک ایسا اختلاف ہے کہ جو دونوں کے تعلقات کو کبھی معمول کے مطابق نہیں ہونے دیگا۔

واضح طور پر مسلمانوں کو کانگریس سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔ اس بار تو بالکل نہیں تھا۔ کیونکہ ۶ دسمبر ۹۲ کے ٹھیک پہلے اور اس کے بعد کانگریس کا سیاسی رویہ ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ بے توجہی کا رہا ہے۔ بابری مسجد کے انہدام کو ممکن بنانے کے لئے ہندوستانی مسلمان کانگریس کو معاف نہیں کرسکتے۔ اس لئے نہیں کہ بابری مسجد کے بغیر ان کی زندگی میں کوئی خلا آجائے گا بلکہ اس لئے کہ اس کا انہدام ایک فاشسٹ ذہنیت کے ابھار کا عروج تھا۔ مسلمانوں کے لئے فیصلہ کن سوال یہ ہے کہ کیا کانگریس اس فاشسٹ چیلنج کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے۔ کیا وہ اس کی اہل بھی ہے؟ پھر بھی مسلمان کانگریس کو ووٹ دے سکتے ہیں اگر انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایسا کرنے پر بی جے پی کو اقتدار میں آنے سے روکا جاسکتا ہے۔ مسلمان ہندوستان میں صرف اقلیت ہی نہیں ہیں بلکہ وہ ایسی اقلیت ہیں جن کی مخالفت کرنے اور جنہیں دوسرے درجے کا شہری بنانے کے لئے ایک فاشسٹ تنظیم تن من دھن سے لگی ہوئی ہے۔ اگر آپ مسلمان سے مسلمان کی طرح سلوک کرتے ہیں تو آپ کو اس کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ وہ بھی مسلمان کی طرح سلوک کرے گا۔

> مسلمان بلیک میل کرنے کی پوزیشن میں ہوتا تو بی جے پی اقتدار پانے کے لئے اپنے آپ کو بلیک میل ہوجانے دیتی۔ لیکن بی جے پی نے تواپنے تمام اصولوں کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا ہے لیکن وہ مسلم دشمنی کے اپنے اصول سے کسی بھی طرح سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہے

دراصل ملک کے ایک طبقے کا فرقہ پرستانہ سلوک ہی مسلمانوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنا سیاسی فیصلہ اجتماعی طور پر کریں۔ اس اجتماعیت سے انہیں چھٹکارا نہیں ہے۔

اس سے چھٹکارا ایک ایسا ماحول ہی دلا سکتا ہے جس میں مسلمانوں کو یہ احساس نہ ہو کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں ان کے کچھ خاص فرائض ہیں۔ ہندوستان سے اگر فرقہ واریت پوری طرح ختم ہوجاتی ہے، ہندو مسلمان کے درمیان کے سماجی اور سیاسی فرق مٹ جاتے ہیں اور مسلمان بھی اتنی ہی آزادی اور بے خوفی محسوس کرتے ہیں، جتنی ہندو تو آپ بتدریج پائیں گے کہ مسلم سیاست بھی ختم ہورہی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک دو چھوٹی موٹی مسلم تنظیمیں بچی رہیں لیکن زیادہ تر مسلمان وسیع سیاسی مفاد کی فکر کریں گے نہ کہ اپنی توجہ اپنے تحفظ کے سوالوں پر مرکوز کریں۔ تب ممکن ہے کہ وہ اپنے سماج کی اندرونی
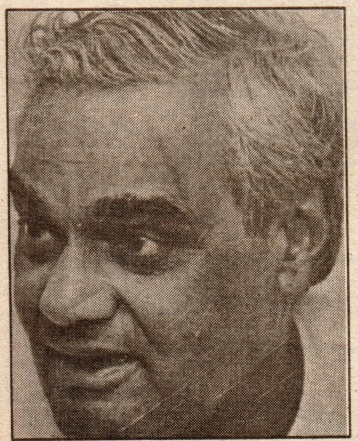
اٹل بہاری واجپئی

اصلاح کی بھی کوشش کریں۔ ابھی وہ ایسا نہیں کرپارہے ہیں کیونکہ وہ مسلم رائے عامہ کو منقسم نہیں دیکھنا چاہتے۔

یاد رہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے ۱۹۶۷ میں جن سنگھ کا، ۱۹۷۷ میں جنتا پارٹی کا جس کا ایک دھڑا جن سنگھ تھا، اور ۱۹۸۹ میں جنتا دل اور قومی محاذ کا ساتھ دیا تھا جس کا بی جے پی کے ساتھ سیٹوں کا سمجھوتہ ہوا تھا اور جو بی جے پی کی حمایت کے بغیر حکومت نہیں بنا سکتا تھا۔ انہوں نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ انہیں امید تھی کہ سیکولر پارٹیوں کے دباؤ سے جن سنگھ اور بی جے پی پر کچھ گرفت رہے گی۔ آج بھی وہ بی جے پی کو ووٹ دے سکتے ہیں اگر اس کا کسی بڑی سیکولر پارٹی میں انضمام ہوجائے۔ واضح رہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو بی جے پی سے کوئی دشمنی نہیں ہے بات بلکہ ٹھیک اس کے برعکس ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا یہ تھوک سیاسی سلوک کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اس سے کسی کو بھی خوشی نہیں ہوتی میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی نہیں ہوتی ہوگی، وہ بھی اپنی اس سیاسی قید سے نکلنا چاہتے ہیں، لیکن کوئی ان کا حقیقی خیر خواہ براہ کرم یہ بتائے کہ وہ کریں تو کیا کریں؟ مسلمان اپنے دائرے سے باہر آسکیں ایسا ماحول بنانا تو ہندوؤں کا ہی فرض ہے۔

(ہندی سے ترجمہ)

بقیہ: یوپی میں سیکولر طاقتوں کا انتشار

وہیں ہے۔ اس نے گذشتہ الیکشن میں پانچ سیٹیں جیتی تھیں اس بار بھی پانچ ہی ہیں۔ البتہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ گذشتہ پانچوں حلقے اس کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں اور نئے حلقے اس کے ہاتھ میں آئے ہیں۔ تیواری کانگریس کو دو سیٹیں ملی ہیں۔ یعنی اگر کانگریس تقسیم نہ ہوئی ہوتی تو ممکن ہے کہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتی۔

بی ایس پی نے ۶۱ حلقوں میں پچاس ہزار سے زائد ووٹ حاصل کئے ہیں اور بیس حلقوں میں وہ دوسرے نمبر پر رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آئندہ الیکشن میں ایس پی اور بی ایس پی میں اتحاد ہوجاتا ہے تو یوپی میں پھر انہی طاقتوں کی حکومت بنے گی لیکن یہ اتحاد ناممکن نظر آرہا ہے۔

اس بار فرقہ واریت چونکہ کوئی ایشو نہیں تھا اس لئے ذات پات کی بنیاد پر لوگوں نے ووٹ دیا۔ پھولن دیوی مرزا پور سے اس لئے جیتیں کہ وہاں پسماندہ طبقات کی اکثریت ہے۔ لکھنؤ میں راج ببر اس لئے ہار گئے کہ مسلمانوں نے بہت کم پولنگ کی۔ سریندر یادو اس لئے جیتے کہ یادوؤں نے اجتماعی طور پر انہیں ووٹ دیا اور گورکھپور سے دیویندر شاہی اس لئے ہار گئے کہ یادوؤں نے ان کی حمایت نہیں کی۔ چاروں ایس پی اور جنتا دل اتحاد کے امیدوار تھے۔ بی جے پی کے ایک لیڈر کا یہ تبصرہ بہت جچا تلا لگتا ہے کہ سیکولر طاقتوں کا اتحاد ان کی طاقت ہے اور ان کا انتشار ہماری طاقت ہے۔

"وہ دیکھو کوئی آسمانی یا جنتی مخلوق چلی آرہی ہے"

انڈونیشیا میں سر سے پاؤں تک لپٹے ہوئے لباس کا فیشن مسلم خواتین میں خاصا مقبول ہو رہا ہے

درمیانے طبقے کی انڈونیشیائی عورتوں میں مسلم طرز کے ملبوسات کافی مقبول ہو رہے ہیں اور انہی لوگوں نے جو ابھی تک مذہبی معاملات میں شدت پسند تھے ملٹی ملین ڈالر فیشن انڈسٹری قائم کی ہے۔ گذشتہ تین برسوں میں مسلم فیشن میں تیز رفتار ترقی واقعی حیرت انگیز ہے اور اس کا اعتراف انڈونیشیا کے معروف ترین خواتین رسالے فیمینا کی ایڈیٹر آمی وامسو نے کیا ہے۔ ابھی ۱۹۸۰ کی دہائی کے آخری برسوں میں مسلم طالبات کو ایسا لباس پہننے کی اجازت تھی جو چہرہ اور ہاتھوں کو چھوڑ کر پورے جسم کو ڈھک لے اور یہ اجازت اس وقت ملی تھی جب ہزاروں طلبا و طالبات نے اسکولوں میں اسلامی لباس پہننے کے حق کے مطالبے کے لیے باقاعدہ مظاہرہ کیا تھا۔

انڈونیشین سائنس انسٹی ٹیوٹ کے ایک مسلم تاریخ نگار توفیق عبداللہ کے بیان کے مطابق مذکورہ دہائی میں مسلم طرز کا لباس پہننا شدت پسند کے مظاہرے کے مترادف تھا۔ اسی طرح یونیورسٹی کی ایک بائیس سالہ مسلم طالبہ حولہ نے بتایا کہ چار سال پہلے تک سر سے پاؤں تک پردے میں لپٹی ہوئی عورتوں اور طالبات کو دیکھ کر لوگ فقرہ کستے تھے کہ یہ دیکھو کوئی آسمانی یا جنتی مخلوق چلی آرہی ہے لیکن اب حالت بدل چکی ہے اب اس طرح کے ریمارکس سننے میں نہیں آتے۔ کیونکہ یہ منظر اب عام طور پر لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آنے لگا ہے اور اسلامی لباس حقیقت بن چکا ہے۔ حولہ کا تجربہ ہے کہ اسلامی لباس پہننے والی خواتین کو انڈونیشیا کے مرد زیادہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

> یونیورسٹی کی ایک بائیس سالہ مسلم طالبہ حولہ نے بتایا کہ چار سال پہلے تک سر سے پاؤں پردے میں لپٹی ہوئی عورتوں اور طالبات کو دیکھ کر لوگ فقرہ کستے تھے کہ دیکھو کوئی آسمانی یا جنتی مخلوق چلی آرہی ہے لیکن اب حالت بدل چکی ہے اب اس طرح کے ریمارکس سننے میں نہیں آتے۔ حولہ کا تجربہ ہے کہ اسلامی لباس پہننے والی خواتین کو انڈونیشیا کے مرد زیادہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

اس اعتبار سے انڈونیشیائی خواتین نے لوگوں کو لباس کے معاملے میں ایک اسلامی قدر کا راستہ دکھایا ہے۔ پہلے وہ بلاؤز پتلون اور معمولی اسکارف پہنتی تھیں تو اب انہوں نے باوقار ڈھیلے ڈھالے لباس کا اور سر کو پوری طرح ڈھانپنے والے اسکارف کا انتخاب کیا ہے۔ آج کی انڈونیشیائی سوسائٹی میں بازاروں، اسٹوروں اور تقریبات میں اسلامی طرز کے لباس پہننے والی خواتین اپنی غیر مسلم بہنوں سے تبادلہ خیال کرتی ہوئی ملیں گی۔

جکارتہ میں مسلم فیشن ڈیزائن کی بانی اداریانی کا کہنا ہے کہ دس سال پہلے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ صرف عمر رسیدہ اور دیہاتی عورتیں نقاب پہنتی ہیں اور ایسے ماحول میں وہ پارٹیوں میں بھی اسلامی لباس پہن کر جانے والی وہ پہلی انڈونیشیائی خاتون تھیں۔ اب حالات بدل چکے ہیں اور تقریبا سبھی معروف فیشن ڈیزائنر جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں اسلامی ملبوسات کی نہج پر اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے کوشاں ہیں اور ان کے ڈیزائنوں کی مانگ اتنی بڑھ رہی ہے کہ وہ لاکھوں ڈالر اس سے کمار ہے ہیں۔ گویا مسلم فیشن کے تجارتی امکانات آئندہ دس سے بیس سال کے عرصہ میں بہت روشن ہونے والے ہیں۔ انڈونیشیا پہلے ہی پڑوسی ممالک کو کپڑے اور تیار ملبوسات برآمد کر رہا ہے اس کا اعتراف کئی تاجروں نے کیا۔ جناب عبداللہ نے بتایا کہ جس طرح ابھرتا ہوا متوسط طبقہ قیمتی کاروں اور ڈیزائن شدہ ملبوسات سے امارت کی علامتوں کا مظاہرہ کرتا ہے اسی طرح اسلامی فیشن ایبل ملبوسات ایک ابھرتے ہوئے مسلم متوسط طبقے کے وجود کی علامت ہیں۔

> انڈونیشیائی خواتین نے لوگوں کو لباس کے معاملے میں ایک اسلامی قدر کا راستہ دکھایا ہے۔ پہلے وہ بلاؤز پتلون اور معمولی اسکارف پہنتی تھیں تو اب انہوں نے باوقار ڈھیلے ڈھالے لباس کا اور سر کو پوری طرح ڈھانپنے والے اسکارف کا انتخاب کیا ہے۔ آج کی انڈونیشیائی سوسائٹی میں بازاروں، اسٹوروں اور تقریبات میں اسلامی طرز کے لباس پہننے والی خواتین اپنی غیر مسلم بہنوں سے تبادلہ خیال کرتی ہوئی ملیں گی۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کھانے یا پینے کا جب کوئی فیشن معاشرے میں عروج پاتا ہے تو اس کا دائرہ اثر کسی ایک تہذیب یا عقیدہ کے لوگوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ اپنے مخصوص کلچر میں مقبولیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ دوسروں کو بھی ضرور متاثر کرتا ہے۔ کچھ یہی بات انڈونیشیا میں اسلامی طرز کے ملبوسات کے فیشن کے سلسلے میں کہی جاسکتی ہے۔ لہٰذا اس تبدیلی کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ بعض غیر مسلم خواتین بھی مذہبی اور سماجی نوعیت کی تقریبوں میں مسلم طرز کے کپڑوں میں جاتی ہیں۔ تاہم اداریانی جو مشہور فیشن ڈیزائنر ہیں ان کے نزدیک اسلامی طرز کے ملبوسات ڈیزائن کرنے کا مقصد صرف منافع کمانا نہیں ہے بلکہ اسلامی اقدار کی حفاظت بھی ہے۔ وہ اس بات کا احساس رکھتی ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ نے ہمیں جسم کی نمائش والے لباس پہننے سے منع فرمایا ہے لیکن یہ بھی کہا ہے کہ سلیقے کا لباس پہنو اور اپنی حرمت و ناموس کی حفاظت کرو۔

ضرورت رشتہ

صحت مند اور وجیہہ فوجی کرنل (عمر ۵۷ سال قد ۱۷۳ سینٹی میٹر کے لئے ۵۵ سال کی عورت سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۵

خوشحال اور باعزت سنی تجارت پیشہ گھرانے کے بی کام ایم بی اے لڑکے (عمر ۲۶ سال، قد ۱۷۶ سینٹی میٹر) کے لئے اچھے خاندان کی خوبصورت اسمارٹ تعلیم یافتہ اور ترقی پسند خیالات رکھنے والی لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۶

یو ایس اے سے ایسوسی ایٹ ڈگری یافتہ معقول آمدنی والے سافٹ ویر کنسلٹینٹ (عمر ۲۸ سال، قد ۱۸۰ سینٹی میٹر) کے لیے سنی خاندان کے خوبصورت تعلیم یافتہ گھریلو ۲۵ سال کی عمر کی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔

بایوڈیٹا کے ساتھ بشرط واپسی تصویر بھی ارسال فرمائیں۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۷

جدہ میں مقیم بی ایس سی ڈگری یافتہ لڑکے (عمر ۳۵ سال قد ۱۶۵ سینٹی میٹر) کے لیے تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ لڑکا اس وقت بمبئی میں ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۸

بمبئی کے ایک سنی خاندان سے تعلق رکھنے والے افسر کے عہدے پر فائز لڑکے (عمر ۲۷ سال، قد ۱۶۵ سینٹی میٹر) کے لئے جس کی تنخواہ خاصی اونچی ہے اچھے خاندان کی خوبصورت لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۹

امریکہ میں تعلیم یافتہ اور امریکی شہریت رکھنے والے تاجر لڑکے (عمر ۳۸ سال) کے لئے باعزت خاندان کی ۱۸ سال سے ۳۳ سال کی چھریرے بدن کی صحت مند خوبصورت اور گھریلو لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔

خواہش مند حضرات بایوڈیٹا کے ساتھ رنگین تصویر بھی ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۷۰

بمبئی میں مقیم دراز قد اسمارٹ اور خلیج کی ایک بین الاقوامی ہوائی کمپنی کے عملے میں ملازم لڑکے (عمر ۳۱ سال) کے لئے ۲۲ سے ۲۵ سال کی عمر کی خوبصورت کنونٹ کی پڑھی ہوئی لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۷۱

یو ایس اے میں مقیم نوجوان سنی ڈاکٹر کے لئے ۲۱ سے ۲۵ سال کی ایسی گریجویٹ باوقار اور خوبصورت لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے جو ماڈرن رجحان کے ساتھ اسلامی روایات سے وابستگی بھی رکھتی ہو تمام خط و کتابت صیغہ راز میں رہے گی اور لوٹا بھی دی جائے گی۔ خواہش مند حضرات رابطہ کریں۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۷۲

سنی خاندان سے تعلق رکھنے والے دہلی یونیورسٹی میں ایڈہاک لکچرر (مستقلی متوقع) لڑکے (عمر ۳۴ سال، قد ۱۶۶ سینٹی میٹر) کے لئے دہلی میں مقیم تدریس یا اس سے ملتے جلتے پیشے سے وابستہ ۱۵۵ سینٹی میٹر سے زیادہ قد کی لڑکی مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۲۷۳

سنی شیخ خاندان کے ایم ڈی (ریڈیو ڈائگنوسس) لڑکے (عمر ۳۰ سال، قد ۱۷۳ سینٹی میٹر) کے لئے ڈاکٹر / انجینیر، مینجمنٹ کے پیشے سے وابستہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکا دین دیال ہاسپٹل میں ملازم ہے اور اس کے بھائی بہن بیرون ملک مقیم ہیں۔ بایوڈیٹا کے ساتھ تصویر بھی بھیجیں۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۷۴

یوپی کے سنی خاندان سے تعلق رکھنے والے ادھیڑ عمر کے طلاق شدہ ذمہ داریوں سے آزاد برطانوی شہری کے لئے چالیس سال تک کی عورت سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۷۵

سنی شیخ خاندان کے دہلی والے تاجر کے ۳۴ سالہ لڑکے کے لئے پرکشش اور ملازمت پیشہ لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ خواہش مند حضرات ضروری تفصیل اور تصویر ارسال کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۷۶

سنی خاندان کے خوش شکل پوسٹ گریجویٹ لڑکے (عمر ۲۹ سال، قد ۱۸۲ سینٹی میٹر) کے لیے جس کا ذاتی مستقل کاروبار ہے اچھے خاندان کی تعلیم یافتہ اور خوبصورت لڑکی سے رشتہ درکار ہے

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۷۷

معزز پٹھان گھرانے کے سعودی عرب میں ملازم خوش شکل دراز قد لڑکے (عمر ۲۹ سال) کے لیے حد درجہ خوبصورت لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۷۸

دہلی کی ملٹی نیشنل فرم میں بارہ ہزار روپے ماہانہ سے زائد پر ایریا منیجر کی حیثیت سے ملازم سنی خاندان کے ایم بی اے لڑکے (عمر ۲۷ سال، قد ۱۶۸ سینٹی میٹر) کے لئے مہذب، خوبصورت، تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۷۹

مغربی یوپی کے ایکسپورٹ بزنس سے وابستہ پٹھان گھرانے کی خوبصورت، اسمارٹ ایم اے اکنومکس لڑکی (عمر ۲۱ سال، قد ۱۶۰ سینٹی میٹر) کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۸۰

کانپور میں مقیم سنی خاندان کی خوبصورت گریجویٹ لڑکی (عمر ۲۳ سال، قد ۱۶۵ سینٹی میٹر) کے لیے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۸۱

سنی سید تعلیم یافتہ گھرانے کی ایم اے بی ایڈ لڑکی (عمر ۳۵ سال) کے لیے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ مغربی یوپی کے رشتوں کو ترجیح دی جائے گی۔ وہ حضرات بھی رجوع کرسکتے ہیں جن کی بیوی فوت ہو چکی ہو۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۸۲

ہم جماعت کی دی ہوئی کتاب نے کایا پلٹ کردی اور گیری اہراد عبدالکریم بن گئے

"اسلام میں اپنے گناہوں کے اعتراف کے لئے کسی وسیلے کی ضرورت نہیں

سعودی عرب میں برسر ملازمت ستائیس سالہ فلسطینی شہری گیری اہراد نے جو حال ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے اپنا اسلامی نام عبدالکریم رکھا ہے۔ اپنے اس نئے روحانی تجربے کی تفصیل بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسلامی تعلیمات بہت واضح ہیں اور سیدھے دل میں اترتی ہیں۔ قرآن کریم کا حرف بہ حرف اپنی جگہ پر آج تک قائم ہے اور اول تا آخر اس کی کسی سورہ میں کوئی تضاد یا ابہام نہیں ملتا۔ اس کی ہر بات کو منطقی اور عقلی بنیادوں پر پرکھا جاسکتا ہے۔ عقیدہ وحدانیت، بذات خود منطقی بنیادوں پر قائم ہے۔ اللہ اپنی ذات میں یکتا و یگانہ ہے تو اسے کسی سہارے کی ضرورت کیوں پڑے گی۔ انسانی سہاروں کی حاجت تو انسانوں کو ہی ہوتی ہے مثلاً بیوی اپنے شوہر کی دیکھ بھال کرتی ہے اس کے آرام و تکلیف کا خیال رکھتی ہے۔ آدمی اپنی اولاد کی دل و جان سے پرورش کرتا ہے کہ جب اس کے قویٰ مضمحل ہوجائیں گے تو وہی اولاد جو کہ مضبوط و جوان ہو اسے سہارا دے گی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ ان تعب و ضعف کے علائق سے ماورا ہے تو اسے کسی کی مدد بھی ہرگز درکار نہیں ہے۔

برادر عبدالکریم کا یہ بھی ذاتی مشاہدہ رہا ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے وہ دیگر مذاہب اور عقیدوں کے برعکس پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ ہمیں اپنے ماں باپ، بھائی بہن، عزیز و اقارب، پڑوسیوں، اساتذہ اور بڑوں سے کس طرح پیش آنا چاہئے سارے عمر میں ہم اسلام سے ہی تو روشنی حاصل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ معاملات جن میں اپنی رہنمائی کو دیگر ماخذ کا مرہون منت سمجھتے ہیں ان کا سرچشمہ بھی دراصل اسلام ہی ہے۔ یہ ہمیں ایک طرف ہمارے حقوق دیتا ہے تو دوسری طرف ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ دوسروں کے تئیں ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں۔ اس کا دائرہ کار مساجد اور عبادات تک محدود نہیں۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور نہ ہی ایسا ہے کہ اس کا نفاذ و اطلاق بعض مذہبی رسوم اور رواج مثلاً پیدائش اور موت اور شادی بیاہ وغیرہ کے امور پر ہی ہو بلکہ یہ اقتصادی، سیاسی اور سماجی نظام کے قیام میں بھی ہمارے لیے مشعل راہ رہا ہے اور آج بھی ہے۔ مسیحی عقائد کا اسلام سے موازنہ کرتے ہوئے عبدالکریم نے یہ انکشاف کیا کہ بائبل کے

☆ برادر عبدالکریم کو اسلام کی دولت مل گئی

پروٹسٹنٹ یا رومن کیتھولک نسخوں میں کہیں بھی حضرت عیسیٰ نے یہ نہیں کہا ہے کہ لوگ ان کی عبادت کریں۔ بائبل کی تعلیمات کے مطابق حضرت عیسیٰ پچھلے پیغمبروں کی تعلیمات کو منسوخ کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ اسی تعلیم کو عام کرنے کے لیے آئے تھے جو متقدمین لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ غرض کہ تمام پیغمبروں کی تعلیمات کا مقصد لوگوں کو اللہ اور بندے کے درمیان رشتے سے آگاہ کرانا اور خود بندوں کے درمیان وہ رشتہ استوار کرانا تھا جو خدا کے نزدیک محبوب و مقبول ہو۔ ایک اور بات جو اسلام کو مسیحیت اور دیگر مذاہب سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ اسلام میں معبود اور عبد کے درمیان واسطے کا تصور نہیں بلکہ بندہ براہ راست اللہ سے رابطہ رکھتا ہے۔ اسے اپنے گناہوں کے اعتراف کے لیے کسی کو وسیلہ نہیں بنانا پڑتا۔ اسلام کی معقولیت کا ایک اور بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک شخص کے گناہوں کے لیے دوسرے کو کبھی ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔ اس کے برعکس مسیحیت میں گناہ اولین کا تصور پوری امت کو احساس گناہ میں بسلار کھتا ہے جس کا کفارہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ نے مصلوب ہوکر ادا کردیا ہے۔ پوری امت کا کفارہ ایک شخص کی طرف سے ادا ہوجانے کا یہ تصور انسان کو عملی زندگی میں خیر کی راہ سے ہٹاتا ہے۔ اسلام کا معاملہ اس سے قطعاً مختلف ہے۔ آخرت میں سزا و جزا کا عقیدہ مسلمان کو اپنے اعمال میں محتاط رہنے اور اللہ کی رضا جوئی کی طرف راغب کرتا ہے۔

اسلام کی معقولیت کا ایک اور بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک شخص کے گناہوں کے لئے دوسرے کو کبھی ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔ اس کے برعکس مسیحیت میں گناہ اولین کا تصور پوری امت کو احساس گناہ میں بسلار کھتا ہے جس کا کفارہ عیساؤں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ نے مصلوب ہوکر ادا کردیا ہے۔

برادر عبدالکریم کے اسلام کی طرف مائل ہونے کا واقعہ یوں ہے کہ جب وہ فلپین کے لیسون اسکول آف مشنریز میں زیر تعلیم تھے تو ان کے ایک نو مسلم ہم جماعت نے انہیں ایک کتاب "اسلام دی ریلیجن آف آل پرافٹس" مطالعے کے لیے دی جس میں حضرت عیسیٰ کا ذکر اسلام کے پیغامبر کی حیثیت سے تھا۔ حالانکہ ان کے سابق مذہب کی رو سے حضرت عیسیٰ خدا تھے۔ کتاب میں مذکور تھا کہ جو مسلمان حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر نہ مانے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ نیز یہ کہ مریم عذرا کا ذکر بھی قرآن میں اس عزت و احترام سے آیا ہے کہ اتنی تکریم تو ان کے لیے خود بائبل میں بھی نہیں ملتی۔ یہیں سے عبدالکریم کی کایا پلٹ ہوئی اور انہوں نے مئی ۱۹۸۴ میں اسلام قبول کرلیا۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اخلاق و کردار کو اسلامی تعلیمات کے آئینے میں ڈھال کر اپنے افراد خانہ کو بھی قبول اسلام پر آمادہ کرلیا۔ خصوصاً تثلیث اور مسیحیت کی موجودہ صورت سے متعلق جو پس و پیش ان کے ذہنوں میں تھا اسے دور کیا۔ اشاعت اسلام کے سلسلے میں عبدالکریم خاصے پرعزم ہیں اور اپنے علاقے میں ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اخلاق و کردار کو اسلامی تعلیمات کے آئینے میں ڈھال کر اپنے افراد خانہ کو بھی قبول اسلام پر آمادہ کرلیا۔ خصوصاً تثلیث اور مسیحیت کی موجودہ صورت حال سے متعلق جو پس و پیش ان کے ذہنوں میں تھا اسے دور کیا۔ اشاعت اسلام کے سلسلے میں عبدالکریم خاصے پرعزم ہیں اور اپنے علاقے میں ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔

"میرے دفتر کی کوئی خاتون مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو میں کیا کروں"

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال : ___ امریکہ اور لندن میں عورتوں سے مصافحہ کرنے کا رواج ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ مردوں کو عورتوں سے مصافحہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہئے کہ جب میرے دفتر میں کام کرنے والی کوئی خاتون مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اور میں اس کا جواب مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر نہ دوں تو مجھے غیر مہذب اور بد اخلاق نہ سمجھا جائے۔ میں کوئی تقریر بھی ان کے سامنے نہیں کرنا چاہتا جس سے وہ سمجھیں کہ اسلام بہت سخت مذہب ہے جو مصافحہ جیسی معمولی بات میں بھی جکڑ بندیوں کا قائل ہے۔

جواب : ___ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کبھی نہیں فرمایا کہ مردوں کے لیے عورتوں سے مصافحہ کرنا ممنوع ہے۔ جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتراز فرمایا، جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ آپ نے حلقہ اسلام میں داخل ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے آنے والی نامحرم عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں رکھا۔ عورتوں سے بیعت لینے کا ذکر قرآن کریم (۶۰-۱۲) میں آیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بیعت کے لئے حاضر ہونے والی کسی بھی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا الا یہ کہ وہ آپ کی بیوی ہو یا محرم۔ تاہم یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ عورتوں سے مصافحہ نہیں ہوتا تھا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے رسول اکرم کی غیر موجودگی میں بیعت کے لئے آنے والی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

اسلام نے جس نکتے کو ملحوظ رکھا ہے وہ یہ ہے کہ نامحرم مرد اور عورت کے درمیان لمساتی قربت نہیں ہونی چاہئے۔ ہمیں صورت حال کا اندازہ خود اس کی خوبیوں اور خامیوں کی روشنی میں کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر آپ کہیں کسی خاتون سے ملاقات کرنے کے لئے گئے اور وہ اخلاق و تعلق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتی ہے تو یہ بڑی بے رخی کی بات ہوگی کہ آپ اپنا ہاتھ آگے نہ بڑھائیں۔ اسی طرح آپ کے لیے یہ بات بھی حد درجہ نامناسب ہوگی کہ ہر عورت سے ملاقات کے وقت بے اختیار اپنا ہاتھ آگے بڑھادیں۔
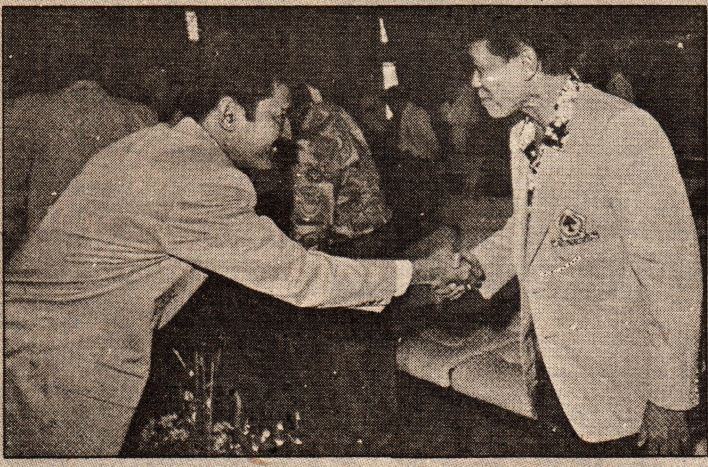
سوال : ___ کیا عورت مردوں اور عورتوں کے مجمع میں اذان دے سکتی ہے یا بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرسکتی ہے؟

جواب : ___ مخلوط مجمع میں عورت کے قرآن کریم کی تلاوت ممنوع نہیں ہے لیکن ایسی حالت میں اذان کوئی مرد ہی دے گا۔ یہ بات بھی اپنی جگہ ہے کہ صرف عورتوں کے لئے مخصوص نماز میں عورتوں کو اذان دینے اور تکبیر کہنے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس سوال کے جواب کی تلاش کے دوران ایک اور مسئلہ بھی سامنے آیا جس کا ذکر شافعی مسلک کی کتاب تحفۃ المحتاج میں ہے۔ مخلوط مجمع کے سامنے عورتوں کے بلند آواز میں بولنے کے موضوع پر گفتگو کے خاتمے پر صاحب کتاب ابن حجر الہیثمی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ مخلوط مجمع کے سامنے عورتوں کے گانے پر کوئی پابندی نہیں ہے یہاں تک کہ اگر اس مجمع میں نامحرم مرد بھی شامل ہوں۔ تاہم الہیثمی نے یہ بھی صراحت کردی ہے کہ گانے کے الفاظ ایسے ہونے چاہئیں جو کسی طرح بھی جذبات کو برانگیختہ کرنے والے نہ ہوں۔

سوال : ___ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب کوئی دلی آرزو پوری ہوجائے یا کوئی اہم کامیابی حاصل ہو تو سجدہ شکر ادا کرنا چاہئے۔ اس کا کیا طریقہ ہوتا ہے مجھے بتائیں۔

جواب : ___ ہمیں تو ہر سانس پر اللہ کا شکر گذار ہونا چاہئے اس کے احسانات پر ہم جتنا بھی شکر کریں کم ہی رہے گا۔ ہاں جب بھی ہماری زبان سے کلمہ شکر و احسان ادا ہوتا ہے اللہ ہم سے خوش ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم اس کے انعامات پر اظہار شکر کریں گے تو وہ ان میں اور بھی خیر و برکت دے گا۔ جب کبھی ہمیں کوئی بڑی کامیابی حاصل ہو، کوئی مصیبت ختم ہو، کسی بیماری سے شفا حاصل ہو اس وقت تو ہمیں خاص طور پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور سجدہ شکر کرنا چاہئے۔

سجدہ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے لئے سجدہ شکر کی نیت کریں گے اور اپنا ہاتھ کان تک لے جاتے ہوئے عام نمازوں کی طرح اللہ اکبر کہیں گے۔ ہاتھ باندھے ہوئے ایک بار پھر اللہ اکبر کہیں گے اور سجدے میں سیدھے چلے جائیں گے۔ اس دوران قرآنی آیات کی تلاوت کی ضرورت نہیں ہے۔

صدقہ دینا اور محتاجوں کی مدد کرنا بھی اپنے خالق کی عنایتوں کے شکر کا ایک طریقہ ہے۔ اللہ کے انعامات پر احسان مندی اور شکر گذاری کا جذبہ مسلمان کی بہت بڑی دولت ہے۔

آپ کے سکے ہضم کرنے والے ٹیلی فون کا زمانہ گیا

اب یہ چھوٹا سا پلاسٹک کا کھلونا ہر جگہ آپ کی مدد کرنے کو موجود ہے

تیز رفتار مواصلات کی دنیا میں تازہ ترین ایجاد موبائل ٹیلی فون کی ہے۔ وہ دن چلا گیا جب کسی کو حکومت کے کنٹرول میں چلنے والے ٹیلی فون ایکسچینجوں پر بھروسہ کرنا ہوتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ گھنٹوں تلاش کے بعد کوئی پبلک بوتھ مل بھی جاتا تھا اور کال کرنے کا موقع ہاتھ لگ جاتا تھا تو وہ مشین اتنی ناقص ہوتی تھی کہ آپ کے پیسے تو نگلتی رہتی تھی لیکن دوسری جانب سے آپ کی بات کا جواب نہ ملتا تھا۔ لاچار جب آپ قریب کے کسی اسٹور میں جاکر اس کے مالک سے ٹیلی فون کرنے کی اجازت چاہتے تو وہ بڑی لاپرواہی سے انکار کردیتا۔

لیکن اب زندگی اتنی پریشان کن اور پیچیدہ نہیں رہ گئی ہے۔ تصور کیجئے کہ آپ کی جیب میں رکھا ہوا بمشکل ایک پاؤ وزن کا پلاسٹک کا آلہ آپ سے سو میل کے فاصلے پر کہیں کار میں سفر کرتے ہوئے آپ کے بیوی بچوں سے آپ کا رابطہ قائم کیے ہوئے ہے اور جب چاہیں آپ بٹن کے ہلکے سے اشارے پر ان سے گفتگو کرلیں۔ جی ہاں موبائل فون کا یہی فائدہ اور مصرف ہے۔

جب یہ عام زندگی کا چلن ہوجائے تو سوچئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے کتنی اقسام کے ہارڈویر بازار میں آجائیں گے اور صارفین کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے رعایتی اسکیمیں بھی شروع کردیں گے اور ساتھ ہی ساتھ پلاسٹک کے اس آلے کی کارکردگی کو بہتر سے بہتر کرتے جائیں گے۔ اس وقت ملک میں دستیاب سیلولر ٹیلی فون کی چھ اقسام ہیں۔ اس کے علاوہ اسمگل شدہ سامان کے بازار میں جتنی شکلوں کے ٹیلی فون نظر آجائیں گے ان کی گنتی الگ ہے۔ دہلی میں سیلولر فون کے دو سرکل ہیں اور وہ ہیں Essar Cellular اور دوسرا ایرٹیل۔ ہینڈسیٹ کے ساتھ دستیاب ایم این سی برانڈوں میں سے بعض مشہور نام موٹر ولا، نوکیا، ارکسن، سیمن، سوتی اور پینا سونک ہیں۔ ان کی قیمتیں ۲۳ ہزار سے ۳۰ ہزار تک ہیں۔ دہلی میں سویڈن کی ارکسن کمپنی کے اشتراک سے پہلی بار سیلولر فون کی خدمات پیش کرنے والی کمپنی بھارتی سیلولر (ایرٹیل) کے ایک ذمہ دار کا کہنا ہے کہ کمپنی نے جب پروڈکشن شروع کیا تو اس وقت پانچ ہزار خریدار سیلولر فون کے تھے اور آج ان کی تعداد تین گنا ہوگئی ہے۔ اسر اور ایرٹیل دونوں کی خدمات سے استفادہ کرنے والے ایک صارف نے اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے کہ سیلولر فون ہر اعتبار سے سستا پڑتا ہے خصوصاً کار فون کے مقابلے میں جس کا ایک کنکشن لینے میں دو لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں۔

تاہم یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ سیلولر ٹیلی فون میں ہر طرح سے راحت و آرام ہی ہے مثال کے طور پر کھڑ کھڑاہٹ اور کال کے بیچ میں رک جانے جیسی شکایتیں شروع میں بہت ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ سیلولر فون کے آلے کی ٹیوننگ ایک خاصا مشکل کام ہے کیونکہ سیلولر فون کو جو ہندوستان میں ایک نیا تصور ہے اس طرح کی مشکلات پر قابو پانے میں وقت لگے گا۔

سیلولر فون کی کارکردگی کا ایک اصول یہ ہے کہ سورج کی کرنیں جہاں بھی پہنچتی ہیں موبائل فون وہاں کام کرتا ہے۔ مثلاً کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے تہہ خانے میں اگر آپ موبائل فون سے کام لینا چاہیں تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ یہیں پر ٹیکنولوجی کے پر چل جلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

اس فون کے طریقہ کار کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ پورے کوریج ایریا کو شہد کے چھتے کے نمونے پر سیلوں میں منقسم کردیتے ہیں اور ہر سیل کے اندر ایک ریڈیو ٹرانسمیٹر / رسیور رکھ دیا جاتا ہے۔ اس طرح جب آپ بات کرتے ہیں تو دراصل طرفین میں اسی سیل کے ذریعے ٹرانسمٹ اور رسیو کرنے کا عمل واقع ہوتا ہے۔ ان Cell Sites کو موبائل سوئچنگ سنٹر سے مربوط کردیا جاتا ہے۔ یہی ایم ایس سی پورے نیٹ ورک کو ہدایات دیتا ہے اور اسے مانیٹر بھی کرتا ہے اور یہ بذات خود کسی مقامی لینڈ لائن نیٹ ورک سے مربوط ہوتا ہے جس سے سیلولر فون کے ذریعے کسی بھی فکسڈ لائن فون سے رابطہ قائم کرنا ممکن ہوجاتا ہے۔

مجموعی طور پر ایک سال کے دوران میں دہلی میں مختلف برانڈوں کے ۲۵ ہزار سیلولر فون فروخت ہوچکے ہیں۔ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ تاجر طبقہ تو اٹھا ہی رہا ہے روزمرہ زندگی میں بھی اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً آپ صبح کو ٹہلنے یا جاگنگ کے لیے نکلے ہیں اور یہ پلاسٹ کا کھلونا جیب میں ہے اچانک صاحب خانہ کو یاد آئے کہ ناشتے کا سامان لانا ہے تو اس کی اطلاع آپ کو راستے میں فوراً مل جائے گی۔

وہ وقت دور نہیں جب آپ کے دفاتر کاغذ کے انبار سے بے نیاز ہوجائیں گے

مستقبل قریب میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ ہندوستان کاغذ کے استعمال سے بے نیاز دفتر کو رائج کرنے کی عالمی جدوجہد میں کامیاب ممالک کی صف میں نمایاں مقام بنالے گا۔ اس میدان میں ابھی چند برس پہلے قدم رکھنے والی کمپنی "نیوگن" ٹیکنولوجیز کے بنائے ہوئے ڈاکومنٹ ایمجنگ سافٹ ویر پہلے ہی اپنی نوعیت کے ایسے سافٹ ویر کی حیثیت حاصل کرچکے ہیں جو عالمی بازار میں فروخت ہونے کے لئے ہندوستان سے بڑے بڑے ملٹی نیشنل فرموں کو دئے جارہے ہیں۔ کمپیوٹر اور ایمجنگ ٹیکنولوجی ہارڈویر کے جاپانی شہنشاہ کینن انکارپوریشن نے نئی دہلی کی اس فرم کو دو ملین ڈالر کی پیش کش اس کے لیے کی ہے کہ وہ ڈاکومنٹ ایمجنگ سافٹ ویر کو کینن ہارڈویر سے جوڑ دے یہ ٹیکنولوجی صارفین کو کمپیوٹروں اور آپٹیکل ڈسکوں پر کروڑوں دستاویزات اور کاغذات اسکین کرنے کی سہولت فراہم کرے گی۔

ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے کمپیوٹر نیٹ ورک اور دفاتر کے کاموں میں حد درجہ سہولت کے باوجود دیکھا یہی جارہا ہے کہ معلومات محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ ابھی تک کاغذ ہی بنا ہوا ہے۔ نیوگن اپنے ڈاکومنٹ ایمجنگ سافٹ ویر کو پورٹیبل ڈسک ٹاپ ڈاکومنٹ مینجر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس سافٹ ویر سے ایک دن میں پانچ سو سے پانچ ہزار دستاویزات کی اسکیننگ ممکن ہوسکے گی۔ اور اس میں ساڑھے پانچ کی آپٹیکل ڈسک پر اے ۴ سائز کے پچیس سے چالیس ہزار تحریری صفحات محفوظ کیے جاسکتے ہیں۔

کاغذ پر جو کچھ بھی لکھا ہو اس کو اسکین کرنے میں یہ ڈاکومنٹ مینجمنٹ سسٹم ہر طرح مدد کرے گا چاہے خط یا تصویر، وزٹنگ کارڈ ہو یا چھپی ہوئی رپورٹ، چھٹی کی درخواست کا فارم ہو یا کوئی ہاتھ سے لکھا ہو بیان۔ اس کا Heirarcy Based Storage ڈسکوں، درازوں اور فولڈروں پر مبنی ہے۔ اس طرح ڈسکوں میں درازیں فٹ ہیں اور درازوں میں فولڈر نصب ہیں۔ ان ڈسکوں کو مختلف مدوں میں ترتیب دیا جاسکتا ہے مثلاً موضوع۔ شعبہ۔ پارٹی۔ سال یا حسب ضرورت کوئی اور تقسیم۔ جیسا کہ نیوگن کے ذمہ داران کا خیال ہے ان کا مائکروفائل ڈاکومنٹ مینجمنٹ سسٹم کاغذ پر موجود معلومات کو تیز رفتاری سے پروسس تو کرتا ہی ہے بلکہ انہیں اسٹور شدہ ڈیٹا میں تیزی سے پہنچاتا بھی ہے جس سے تجارتی نقطہ نظر سے بڑے فوائد کی امید کی جاسکتی ہے۔ مائکروفائل میں حیرت انگیز سرچ سسٹم بھی لگا ہوا ہے جس کی مدد سے اسٹور شدہ ڈاکومنٹ کی نشاندہی پل بھر میں ہوجاتی ہے۔ ڈاکومنٹ کی تلاش اور نشاندہی کے عمل کے دوران صارفین کلیدی الفاظ سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔

> مائکروفائل میں حیرت انگیز سرچ سسٹم بھی لگا ہوا ہے جس کی مدد سے اسٹور شدہ ڈاکومنٹ کی نشاندہی پل بھر میں ہوجاتی ہے۔ ڈاکومنٹ کی تلاش اور نشاندہی کے عمل کے دوران صارفین کلیدی الفاظ سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔

معلوماتی اسٹور میں سے شناخت کردہ مطلوبہ ڈاکومنٹ پورے صفحے کے فارمیٹ پر ڈسپلے ہوتا ہے۔ مائیکروفائل کی ڈاکومنٹ کے دونوں رخ اور اس کے اوپری حصہ کو بھی ڈسپلے کرتا ہے تاکہ فولڈر کا پورا نقشہ ناظر کے سامنے آجائے اور وہ صحیح طور پر ڈاکومنٹ پر شناخت کرلے۔

اس وقت نیوگن کی نظر عالمی بازار پر ہے اور اسے، فاستانس، مینوفیکچرنگ انڈسٹری اور انشورنس کے میدان میں منافع کے وسیع امکانات دکھائی دے رہے ہیں۔ مینوفیکچرنگ کے شعبے میں مائیکروفائل سے یہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ اس میں ایک ایمجنگ سولیوس جو مینوفیکچرنگ کے پروسس کے تمام پہلوؤں کو ایک جگہ تسلسل سے دکھا دیتا ہے یعنی کمپیوٹر ڈیزائن سے لے کر تیار شدہ مال تک۔ نیوگن کا تو یہ دعوی ہے کہ وہ مینوفیکچرنگ اور فینانسنگ یا کسی بھی میدان میں ہر قدم پر کاغذ کے استعمال کو خیرباد کہہ دے گا صحیح معنوں میں نیوگن کی یہ پروڈکٹ اپنے وقت سے بہت آگے ہے اور اس کی بازاری شہرت کا امکان مستقبل میں چھپا ہوا ہے۔ اور یہی بات اسے مقابلے کی دنیا میں معتبر بناتی ہے۔ اس سافٹ ویر کی قیمت کا انحصار صارفین کی مخصوص ضرورتوں پر ہوگا اور ڈاکومنٹ مینجمنٹ سسٹم کئی طرح کے کمپیوٹروں پر چلایا جاسکے گا۔ سافٹ ویر کی قیمت ۵۰۰ ڈالر سے شروع ہوکر ہزار دو ہزار تک بھی جاسکتی ہے۔
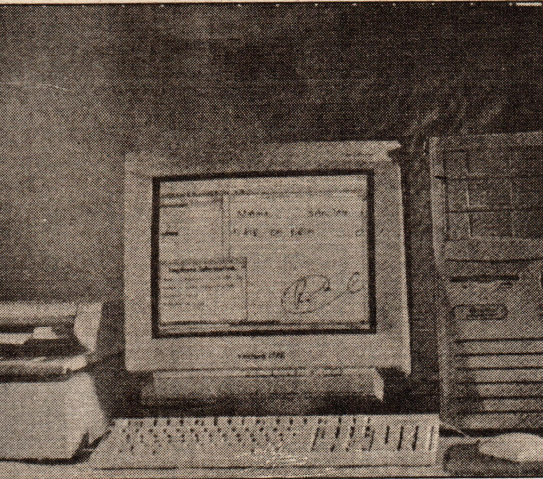
نیوگن سافٹ ویر کی ایک خوبی یہ ہے کہ اسے صارف کی ضرورتوں کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے جس کے لئے ایک مخصوص ایپلی کیشن پروگرامنگ انٹرفیس استعمال میں لایا جائے گا جس میں گاہکوں کے مطالبے کے مطابق ایمجنگ سولیوشن کے انتخاب کی گنجائش رہے گی۔ یہ نیا سافٹ ویر ابھی چھ ماہ قبل تیار ہوا ہے اور ملک کے کئی مقامات پر اس کی فیلڈ ٹسٹنگ بھی ہوچکی ہے اور چند فاستانسنگ کمپنوں کے استعمال میں یہ اب تک آچکا ہے۔

نئی کتاب

نامہ نگاروں کو یقین دلایا گیا کہ بوسنیا میں مسلم نسل کشی ہوئی ہی نہیں

مصنف نے بوسنیا سے متعلق مغربی حکام کے مکروفریب کا پردہ چاک کرنے کی کوشش کی ہے

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے دو نسخے آنا لازمی ہیں تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔

نام کتاب: لو دائی نیبر۔ اے اسٹوری آف وار
مصنف: پیٹر ماس۔ ناشر نوف
صفحات: ۲۰۵، قیمت: ۲۵ ڈالر

بوسنیا کی جنگ میں لوگوں نے کئی اعتبار سے گذشتہ جنگوں کی جھلک دیکھی ہے۔ وہ افراد جو اس خیال کے حامی ہیں کہ مغرب کو بوسنیا پر سے اسلحہ کی پابندی بہت پہلے اٹھا کر ناٹو کی توپوں کا رخ سربیوں کی طرف کر دینا چاہئے تھا اس جنگ کو دوسری جنگ عظیم کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ ایک ایسی جنگ جس میں یوروپ نے ایک بار پھر نسل کشی کی سازش کا منصوبہ تیار کرنے والوں کی خوشنودی حاصل کی اور جس میں ٹی وی کیمروں کے سامنے ہالوکاسٹ کا منظر دیکھا گیا۔

امریکی صحافیوں کو بوسنیا کی جنگ کی رپورٹنگ کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ویتنام کی جنگ کی رپورٹنگ کر رہے ہوں۔ حالانکہ اس سردی کے آغاز تک وہاں ایک بھی امریکن فوجی نہیں تھا لیکن سراجیو اور بنجالو کا میں بہت سے نامہ نگاروں کو وہی تجربہ ہوا ہوگا جو آج سے پچیس سال پہلے ان کے ہم پیشہ افراد کو ہوا تھا۔ سربیاؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کی نسل کشی کے بارے میں معلومات کرنے میں جو دن گذرنا چاہئے تھے وہ انھوں نے اقوام متحدہ کے UNPROFOR کے مرکز میں سرکاری پریس کانفرنس یا جنیوا میں منعقد مذاکرات میں شرکت طے کر کے گذار دیا جہاں حکام نے انہیں یقین دہانی کرادی کہ مسلمانوں کی نسل کشی کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ یہ تسلیم کر لیے جانے کی صورت میں مسلمانوں کی نسل کشی واقعی ہوئی تھی اقوام متحدہ، یوروپ یا امریکہ کو مظلوم افراد کی مدد کے لئے آگے بڑھنے پر مجبور ہونا پڑتا اور یہی چیز کسی کی پالیسی میں شامل نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امن مذاکرات میں ثالث اعلی کا کردار ادا کرنے والے لارڈ ڈیوڈ اوون نے اس جنگ کو خانہ جنگی سے متصف کیا اور یہ کہا کہ اشتعال انگیزی دونوں طرف سے تھی۔ جب سراجیو میں توپوں کے حملے کے نتیجے میں درجنوں افراد لقمہ اجل بن گئے تو UNPROFOR نے ایک رسمی سے اعلان پر اکتفا کیا کہ بوسنیائیوں کو چاہئے کہ خود اپنے اوپر بمباری بند کر دیں گویا کہ وہ خود فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ کسے ملزم ٹھہرائیں۔ ویتنام کی کچھ اور جھلکیاں بھی اس جنگ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

کئی امریکی اور یوروپی نامہ نگاروں کو محسوس ہونے لگا تھا کہ ان کی حکومتیں ایک سنگین مجرمانہ فعل کی سازش میں ملوث ہیں اور یہ کہ اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی بربریت کا بیان خواہ وہ کسی بھی پیرائے میں کریں صورت حال میں کوئی تبدیلی آنے والی نہیں ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ویتنام اس بنا پر بدکردار سمجھا گیا کہ وہاں پر دنیا کی عظیم طاقتیں دخیل تھیں اور اب بوسنیا بھی اس وجہ سے بدکردار قرار پایا کہ وہی عظیم طاقتیں یہاں دخیل نہیں تھیں۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو پیٹر ماس کی تصنیف اس نپے تلے اور معروضی انداز بیان سے عاری ہے جس کی توقع قارئین ایک ایسے صحافی سے کرتے ہیں جس نے واشنگٹن پوسٹ کے لئے جنگ کے حالات کی رپورٹنگ کی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ لو دائی نیبر یقینا مہم جوئی کے کارناموں سے خالی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک صبح پونے چھ بجے اس کی آنکھ توپ کے گولوں کی آواز سے کھلی اور چند لمحوں کی دھند اور دھوئیں کے پیچھے سے اس نے بڑے خوف کے عالم میں یاد کیا کہ ان کے ہوٹل کا کمرہ ایک گیس اسٹیشن کے اوپر واقع تھا۔

تشدد کی طرف انسانی مزاج کے فطری میلان اور اس کے اظہار پر آمادہ کرنے والی قوتوں کی مکمل تصویر کشی اس کتاب کی بڑی خوبی ہے۔ مصنف نے اس مرکزی خیال کو اجاگر کیا ہے کہ کس طرح مہذب نظر آنے والے لوگ اپنے ساتھ رہنے بسنے، کام کرنے والے، دکھ درد میں شریک ہونے والے دوسرے لوگوں اور ان کے متعلقین کو اپنے تشدد کا نشانہ بنا سکتے ہیں، انہیں ہلاک کر سکتے ہیں اور ان کی املاک تباہ کر سکتے ہیں، انہیں گھر سے بے گھر بھی کر سکتے ہیں۔

مصنف نے اس مرکزی خیال کو اجاگر کیا ہے کہ کس طرح مہذب نظر آنے والے لوگ اپنے ساتھ رہنے بسنے، کام کرنے والے، دکھ درد میں شریک ہونے والے دوسرے لوگوں اور ان کے متعلقین کو اپنے تشدد کا نشانہ بنا سکتے ہیں، انہیں ہلاک کر سکتے ہیں اور ان کی املاک تباہ کر سکتے ہیں، انہیں گھر سے بے گھر کر سکتے ہیں۔

سربیائی ذمہ داران سے مصنف نے جو انٹرویو کیے ہیں اور اس کتاب میں شامل ہیں ان سے پہلے رسمی طور پر ایسے ویڈیو ٹیپ دکھائے گئے ہیں جن میں پورے سال ہونے والے مظالم کے مناظر فلمائے گئے ہیں۔ اور اس بنیاد پر مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے۔ نازی کے مظالم اس وقت سربیوں کا انتظار کرتے رہے جب تک انہوں نے جارحیت اختیار نہ کی اور قتل عام پر کمربستہ نہ ہوگئے۔ تاریخ کی خمیدہ تلوار کی تیز دھار ان کی راہ روک رہی تھی لیکن مصنف نے ان امریکی اور یوروپی ذمہ داران سے اپنی شدید نفرت کو کسی حد تک چھپالیا ہے جنھوں نے نسل کشی میں ملوث افراد کی خوشنودی حاصل کی اور بوسنیائیوں کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی کہ وہ ملک کے حصے بخرے کرنے کے لیے سربیائی منصوبے کو تسلیم کرلیں۔ انہوں نے ایسے ذمہ داران کو مافیا سرغنوں سے تعبیر کرتے ہوئے انہیں "جلاد" کا نام دیا ہے۔

آپ کی الجھنیں

اپنا ذہن مطالعہ اور عبادت میں لگائیں اور نفسیاتی معالج سے رجوع کریں

اگر آپ کسی الجھن میں ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

سوال :۔ میں سینئر سکنڈری کی سطح کا طالب علم ہوں۔ مجھے ایک طویل عرصے سے منشیات کے استعمال کی عادت ہے۔ اس عادت کی ابتدا برے لوگوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے پڑی جس کا مجھے اب احساس ہوا ہے۔ میں اس قبیح عادت پر نہ جانے کتنا روپیہ برباد کر چکا ہوں تعلیم چوپٹ ہو گئی، صحت غارت ہو گئی اور طرح طرح کے نفسیاتی امراض نے مجھے گھیر لیا ہے۔ کوئی ترکیب بتائیں کہ میں اس مصیبت سے چھٹکارا پاسکوں۔

جواب :۔ جس ہلاکت میں آپ نے خود کو مبتلا کیا ہے اس پر ہمیں افسوس بھی ہے اور تشویش بھی۔ افسوس اس لیے کہ آپ نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ جو اللہ کی عبادت امور خیر اور دنیا کے تعمیری کاموں میں لگانا چاہئے تھا وہ یونہی برباد کر دیا۔ تشویش اس بنا پر ہے کہ آپ کی عمر ہمیشہ اسی مقام پر ٹھہری تو رہے گی نہیں آپ کی ضرورتیں بڑھیں گی، ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگا۔ ایک خاندان کی کفالت آپ کو کرنی ہوگی۔ مختلف اقسام کی نشہ آور اشیاء بشمول شراب کے جو آپ نے استعمال کی ہیں اس سے آپ کے خون کے کیمیاوی اوصاف متاثر ہوں گے اور یہی اثرات اولاد میں منتقل ہوں گے۔ سوچئے کہ جب ان مہلک چیزوں سے آپ کی ذہنی حالت متاثر ہوگی تو نہ آپ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔ جب خود کو ہی سنبھال نہیں پائیں گے تو اللہ کے اور بندوں کے حقوق کیا ادا کر پائیں گے۔ بحیثیت ایک مسلم نوجوان کے آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اسلام نے ہم پر وہ تمام چیزیں حرام کی ہیں جن سے نشہ آئے، سستی طاری ہو یا عقل میں فتور واقع ہو۔ یہ تو ہوئے منشیات کے ظاہری نقصانات۔ اس کے علاوہ ایسی چیزوں کے داخلی مضرتیں کہیں زیادہ شدید ہیں مثلاً یہ کہ اس سے انسان کا اعصابی نظام مفلوج ہو جاتا ہے تو عام صحت گرتی چلی جاتی ہے، جب نشہ ضروری کی طلب مجبور کرتی ہے تو انسان اپنا سب کچھ مٹا کر بھی وہ طلب پوری کرتا ہے یہاں تک کہ قرض بھی لیتا ہے، اپنے جسمانی نظام کو آلودہ کرتا ہے اور یہی آلودگی نسل در نسل اپنی اولاد میں منتقل کرتا ہے۔ گویا اپنی غلطی کا خمیازہ خود تو بھگتتا ہی ہے اس کی وجہ سے معصوم زندگیاں بھی معرض خطر میں پڑ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک معاشرتی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کا انفرادی فعل سمجھ کر کوئی آپ کے بارے میں کچھ کہتا نہ ہوگا۔ آپ کے آس پاس کے لوگ یقینا آپ ہی کو اچھی نظر سے دیکھتے نہیں ہوں گے خدا نخواستہ اگر آپ کہیں گرے پڑے پائے گئے تو کوئی اٹھانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرے گا۔

عام طلبا کے مقابلے میں نشہ کی عادت میں مبتلا طلبا میں باتوں کو سمجھنے، اسباق یاد کرنے، بحث و گفتگو میں حصہ لینے کی صلاحیت میں نہ صرف کمی واقع ہوتی ہے بلکہ بتدریج زائل ہوتی جاتی ہے اور امتحان یا ٹیسٹ میں ان کی کارکردگی دیگر طلبا کی بہ نسبت بہت زیادہ کمزور اور ناقابل اطمینان ہوتی ہے۔

آپ چونکہ طالب علم ہیں اس لیے آپ سے ہم توقع کرتے ہیں کہ بری عادتوں اور برے لوگوں کی صحبت چھوڑ کر آپ اپنے طور طریقے درست کریں گے اور پھر سے نئی زندگی میں قدم رکھنے کا عہد کریں گے۔ اس سلسلے میں ایک بات یاد رکھئے گا کہ طلبا میں نشہ خوری کی عادت کے موضوع پر کئے گئے ایک مطالعہ سے یہ پتہ چلا ہے کہ عام طلبا کے مقابلے میں نشہ کی عادت میں مبتلا طلبا میں باتوں کو سمجھنے، اسباق یاد کرنے، بحث و گفتگو میں حصہ لینے کی صلاحیت میں نہ صرف کمی واقع ہوجاتی ہے بلکہ بتدریج زائل ہوتی جاتی ہے اور امتحان یا ٹیسٹ میں ان کی کارکردگی دیگر طلبا کی بہ نسبت بہت زیادہ کمزور اور ناقابل اطمینان ہوتی ہے۔

عام زندگی میں ایسے طلبا کے سلوک پر نظر ڈالیں خواہ وہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ ہو یا اپنے سے بڑوں اور اساتذہ کے ساتھ ایک عام تاثر یہی ملا ہے کہ نہ تو وہ کسی سے بات چیت ہی اعتماد سے کر پاتے ہیں نہ اسکول جانے کی طرف ان کی طبیعت مائل ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کام میں ان کا جی لگتا ہے بس مزاج پر ایک جمود اور بے کیفی سی طاری رہتی ہے۔ وہ اپنے لیے کسی مقصد کا تعین نہیں کر پاتے۔ یہ بھی بھولنا نہیں، چاہئے کہ نشہ آور اشیا کے استعمال سے پیدا ہونے والی سرشاری اور فرحت بہت ہی عارضی ہوتی ہے اور یہ چند لمحات کی خوشی آپ سے پوری زندگی کا خراج لیتی ہے۔ بس یہ سمجھئے کہ خون چوس لیتی ہے۔ اللہ نے انسان کو محترم اور عالی مرتبت اسی لیے بنایا کہ وہ اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو اپنے اور اپنے ہم نفسوں کے لیے آسانیاں اور آرام پہنچانے کے لئے صرف کرے گا۔ لیکن جو شخص اللہ کی طرف سے متعین کردہ انسانی زندگی کے مقصد سے رو گردانی کرتے ہوئے بدعملی کو گلے لگالے تو گویا وہ تمام اخلاقی اور انسانی اقدار سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

Price Rs. 5/-
1 - 15 JUNE 1996
Volume : 3, Issue : 11

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone : 6827018
Fax: (011) 6926030

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-11234/96

اسلامک ڈزنی

ہالینڈ کے شہر ڈن ہاخ (The Hague) میں سنجیدہ سیاحوں کی دلچسپی کا ایک مرکز تمثیلی ایمسٹرڈم بھی ہے چند سو مربع میٹر کے مختصر رقبے میں ایک مکمل جیتا جاگتا شہر آباد ہے۔ انتہائی فنکارانہ مہارت کے ساتھ ایمسٹرڈم کی ایک ایسی شبیہہ تیار کی گئی ہے جسے دیکھ کر لیلی پٹ کا شہر یاد آجاتا ہے۔ جی ہاں ایک ایسا شہر جس میں انسانوں کا قد تین سینٹی میٹر سے زیادہ نہیں۔ اسی مناسبت سے ان کی ریلیں اور ان کی بسیں ان کے مکانات اور اس شہر کی سڑکیں ہیں۔ گویا ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے شہر ایمسٹرڈم کو اس کی پوری رعنائی اور زندگی کے ساتھ چند میٹر میں قید کردیا ہو۔ ذرا اور باریکی سے جائزہ لیجئے تو پتہ چلے گا کہ اصل شہر کی طرح یہاں بھی زندگی کا کاروبار جاری ہے، سڑکوں پر بسوں اور ٹرام کا ہجوم ہے، ٹرینیں اسی طرح پابندی وقت کے ساتھ آجارہی ہیں اور ان میں بیٹھے چھوٹے چھوٹے مصنوعی مسافر خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ کلبوں اور شراب خانوں سے قہقہوں کی آوازیں آرہی ہیں اور ڈسکو کا راگ و رنگ بھی اپنے عروج پر ہے۔

مغرب میں اس جیسی تفریح گاہوں کی کمی نہیں البتہ Disney Land کے منظر عام پر آجانے سے اب ان تفریح گاہوں میں عقل دنگ کرنے کا وہ ملکہ نہیں رہا جو کبھی ہوا کرتا تھا لیکن اردن کے معروف دانشور واصف الراعی کا کہنا ہے کہ ان تفریح گاہوں میں صرف عقل ہی دنگ نہیں ہوتی بلکہ بہت کچھ بھنگ ہوجاتا ہے۔ آپ جن اقدار کو اب تک سینوں سے لگائے ہوئے ہیں اس کی شدت میں کمی آتی ہے اور مغرب کی قبیح ثقافت اور منکرات کے سلسلے میں آپ کا رویہ رفتہ رفتہ نرم پڑنے لگتا ہے۔ دیکھا جائے تو تفریح اور عجائبات کے پردے میں مغرب شب و روز اپنی ثقافت کی تبلیغ کررہا ہے۔ ہم بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اپنے بچوں کو ایک ڈزنی سے دوسرے ڈزنی میں لئے پھرتے ہیں اور ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس بظاہر بے ضرر سی تفریح میں ایک اجنبی ثقافت ہمارے پلے باندھ دی جاتی ہے۔

گذشتہ چند برسوں سے واصف ایک ایسے اسلامی ڈزنی کی تعمیر میں مصروف ہیں جہاں مغرب کی خدا بیزار ثقافت کی تبلیغ کے بجائے الٰہی اقدار کا غلغلہ ہو۔ گویا تفریح و عجائبات کے جلو میں اللہ کی حمد و کبریائی بھی جاری رہے۔ ۲۴ مربع میٹر کے مختصر سے رقبے میں منیٰ، مکہ اور عرفات کا منظر نامہ دیکھنے والے کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ایک مختصر سے ہال میں لاکھوں لوگوں کا حج جاری ہے، کہیں سے لبیک کی صدا بلند ہورہی ہے تو کہیں دعا کے لئے ہاتھ اٹھے ہیں کوئی زار و قطار اپنے گناہوں پر پشیماں ہے تو کسی کی زبان شب و روز خدا کی حمد و تسبیح میں تر بہ تر۔ لاکھوں کا ہجوم اور ہر شخص پر ایک عجیب وارفتگی طاری۔ یہاں موڈ تفریح کا نہیں بلکہ ذوق و شوق کا ہے اور ہر شخص لبیک کی کیفیت میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا ہے۔ جبل رحمت پر حاجیوں کے قافلے ایسا لگتا ہے جیسے صدیوں سے ٹھہرے ہوئے ہوں البتہ ان کی آہ و بکا میں تازگی کی کیفیت نمایاں ہے۔ کہیں کعبہ کا طواف ہورہا ہے تو کہیں شیطانوں کو کنکریاں ماری جارہی ہیں۔ ۲۴ مربع میٹر کا یہ ہال جس میں تمثیلی حج پورے ذوق و شوق سے جاری ہے ایک عجیب سی روحانیت سے معمور ہے۔

اس تمثیلی حج کی تیاری میں دنیا کی بہترین ٹیکنالوجی کا استعمال کیا گیا ہے۔ جاپان کی مختلف کمپنیوں کے تعاون سے سالہا سال کی شب و روز جد و جہد کے بعد واصف کا منی حج کا پلان شرمندہ تعبیر ہوا ہے ایک ماڈل کی تیاری پر کوئی دو ملین ڈالر صرف ہوئے ہیں۔ واصف کا کہنا ہے کہ وہ منی حج کے اس ماڈل سے حاجیوں کی تربیت کا کام بھی لیں گے تاکہ اس تمثیلی حج کو دیکھنے کے بعد حاجیوں کے لئے صحیح طریقہ پر حج کرنا آسان ہوجائے اور اس طرح جو کام کتابوں یا ویڈیو فلموں سے ممکن نہیں وہ اس تمثیلی حج کے ذریعہ ممکن ہوسکے گا۔ اندازہ ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا کے بعض ممالک میں حج کا یہ ماڈل عام زائرین کے لئے آئندہ سال سے کھول دیا جائے گا۔ خیال ہے کہ اس قسم کی تفریحی دلچسپیوں کے ذریعہ لوگوں میں حج کے لئے ذوق پیدا ہوگا اور جب سیر و تفریح کے لئے لوگ اپنے بچوں کو ان مقامات کی سیر کرائیں گے تو گھر واپسی پر ان کی زبانوں پر مائیکل جیکسن کا کوئی نغمہ ہونے کے بجائے اللہ کی حمد و تسبیح ہوگی۔

واصف کا ذہن ان جیسے بے شمار خیالات کی آماج گاہ ہے۔ انہوں نے بچوں کے لئے تعلیم و تفریح کی دوسری بہت سی چیزیں بھی تیار کی ہیں اور وہ ان کا براہ راست تجربہ اپنے بچوں حمزہ، عمران اور سنان پر کرتے رہتے ہیں۔ وہ ثقافت کے معاملے میں انتہائی حساس ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایک غیر متقی معاشرے کی ثقافت رد کرنے کا موثر طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ اسلامی ثقافت کے بطن سے جدید دلچسپیوں کا سرچشمہ بہنے کا سامان فراہم کیا جائے۔

☆☆☆☆